# اردو شاعری مین

صنف

شہر آشوب

تحقیقی مقالہ - ایم - اے ( فائنل ) اردو

شعبہ اردو
مسلم یونیورسٹی
علیگڑھ

رول نمبر ۳۷۱

سنہ ۱۹۶۶ء

## فہرست


۱ شہر آشوب کی تعریف اور اس کی صنف کا تعین

۲ تاریخی سماجی سیاسی اور تہذیبی پس منظر

۳ پہلا دور ـــ سنہ ۱۷۰۰ سے سنہ ۱۸۵۷ء تک :

(۱) شاکر ناجی

(۲) شاہ حاتم

(۳) اشرف علی خان فغان

(۴) سعادت یار خان رنگین

(۵) قایم چاند پوری

(۶) لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی

(۷) جعفر علی حسرت

(۸) میر تقی میر

(۹) مرزا رفیع سودا

(۱۰) نظیر اکبرآبادی

(۱۱) شیخ قلندر بخش جرأت

(۱۲) راسخ عظیم آبادی

۴ دوسرا دور ـــ دور دہلی سنہ ۱۸۵۷

(۱) حافظ غلام دستگیر مبین

(۲) نواب مرزا خان داغ دہلوی

(۳) مرزا قربان علی بیگ مالک

(۴) حکیم محمد تقی خان سوزان

(۵) ظہیر الدین ظہیر دہلوی

(٦) محمد علی تشنہ
(٧) حکیم آغا جان عیش دہلوی
(٨) قاضی فضل حسین خان افسردہ
(٩) مفتی صدر الدین آزردہ
(١٠) حکیم محمد بحسن محسن
(١١) مرزا قربان علی خان کامل

٥ تیسرا دور ـــــ سنہ ١٨٥٧ء سے سنہ ١٩٤٧ء تک
(١) الطاف حسین حالی
(٢) میر مہدی مجروح
(٣) برق لکھنوی
(٤) جان صاحب
(٥) کیفی دہلوی
(٦) عمر انصاری
(٧) شریر بن باسی

٦ چوتھا دور ـــــ سنہ ١٩٤٧ء سے سنہ ١٩٦٦ء تک
(١) جوش ملیح آبادی
(٢) ڈاکٹر منیب الرحمن
(٣) ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی
(٤) اختر انصاری دہلوی

٧ اختتامیہ

٨ فہرست کتب

## تمہید

اردو شاعری سے متعلق بعض ایسے موضوعات ہیں جن پر ابھی اطمینان بخش طریقے پر کام نہیں ہوا ہے ان موضوعات میں سے ایک موضوع "شہر آشوب" بھی ہے۔ ابھی تک "شہر آشوب" جیسے اہم موضوع پر لے دے کے صرف دو مقالے لکھے گئے ہیں۔ ایک ڈاکٹر سید عبداللہ کا شہر آشوب کی تاریخ[1]۔ دوسرا پروفیسر مسعود حسین رضوی ادیب کا شہر آشوب[2]۔ اس کے علاوہ سنا ہے کہ دہلی یونیورسٹی میں کوئی صاحب اس موضوع پر ڈکٹور P.H.D کیلئے مقالہ لکھ رہے ہیں۔ مگر وہ ابھی زیر تکمیل ہے۔

اردو شاعری پر یہ الزام ہے کہ اس میں سوائے عشقیہ مضامین کے دہرا کیا ہے۔ اس میں نہ زندگی کی بصیرت ہے نہ زندگی کا شعور ہماری شاعری داخلی اور ذاتی جذبات و واردات کے دائرے میں مقید ہے۔

اگر ہم اردو کے شہر آشوبوں پر نظر ڈالیں تو یہ دعوی کچھ غلط سا نظر آتا ہے۔ اردو شاعری بھی اپنے زمانے اور زمانے کے نشیب و فراز کے تمام دائروں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ ہر عہد کا شاعر اپنے زمانے کے سیاسی سماجی تہذیبی اور اقتصادی حالات سے متاثر ضرور ہوا ہے۔ کسی نے رمز و کنایہ اور غزل کی زبان میں اس کا اظہار کیا ہے اور بعض شعراء نے کھل کر اور واضح طور پر ان مسائل کو پیش کیا ہے۔ اس طرح سے کسی زمانے کی شاعری اپنے زمانے کی روح سے خالی نہیں ہے اس نقطہ نظر سے اگر ہم اردو شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں شہر آشوب کی صنف اور پیرایہ بیان خاص طور پر ہنی خیز نظر آتا۔ اس مقالے کا موضوع "اردو شاعری میں صنف "شہر آشوب" ہے ان شہر آشوبوں کا جائزہ اور ان کی اہمیت کا اندازہ کرتے وقت ان تمام سیاسی سماجی تہذیبی اور اقتصادی حالات و حوادث سے بحث کی گئی ہے جن کے پس منظر میں یہ شہر آشوب وجود میں آئے ہیں۔

جہاں کہیں ضرورت پڑی ہے وہاں شعراء کے حالات زندگی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہم یہ چاہتے تھے کہ تمام اہم شہر آشوبوں کا ایک جامع انتخاب مقالے

---

۱۔ بحث و نظر ۲۔ مطبوعہ نقوش شمارہ نمبر ۱۰۲ مئی سنہ ۱۹۶۵ء

کے آخیر مین بطور ضمیمہ شامل کردیا جائے لیکن طوالت کے خوف سے بعد مین اسے ملتوی کرنا پڑا - اگر یہ مقالہ کبھی شائع ہوا تو اسکی تلافی کردی جائیگی -

ہم نے پہلے دور کے شہر آشوبون کا مطالعہ نسبتاً تفصیل سے کیا ہے کیونکہ اس وقت کی عام شاعری کا پیرایہ داخلی تھا بجز مثنوی اور مرثیے کے - مثنویات اور مراثی بھی چند موضوعات کے لئے مخصوص تھے - اسلئے اس دور کے سیاسی و سماجی حالات کا جتنا اثر شہرآشوب پر پڑا اس سے دوسری اصناف خالی تھین -

حالی کے زمانے سے جب جدید نظم کو فروغ ہوا تو ہماری نظمیہ شاعری عام طور پر سیاسی و سماجی زندگی سے مربوط ہوگئی اور ہر طرح کی نظمین لکھی جانے لگین - جن مین اس دور کی خارجی زندگی کا عکس ہے - اس طور پر "شہرآشوب" بحیثیت صنف کے کوئی نمایاں صنف نہین رہ گئی - پھر بھی سنہ ۱۸۵۷ء کے حادثہ سے متعلق شہرآشوبون کا خاصا ذخیرہ ملتا ہے اور بعد کے ادوار مین بھی ایسی نظمین مل جاتی ہین جن کو شہرآشوب کے علاوہ کچھ اور نہین کہا جاسکتا - بلکہ بعض اوقات خود شعراء نے انھین شہرآشوب ہی کے نام سے یاد کیا ہے - چنانچہ ہم نے جدید دور کی اس طرح کی نظمون کو بھی اپنے تجزیے کیلئے منتخب کیا ہے - بحیثیت مجموعی "شہرآشوب" کے مطالعہ سے اردو شاعری سے متعلق بعض اہم اور دلچسپ نتائج برآمد ہوتے ہین - ان کی روشنی مین یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ اردو زبان مین محض روایتی شاعری یا اس طرح کی غزل گوئی ہی شعراء کا اوڑھنا بچھونا نہین رہی ہے - جیسے عام طور پر "گل و بلبل" کی شاعری کہہ کر مسترد کردیا جاتا ہے - بلکہ ہمارے شعراء نے ہر دور مین اپنے زمانے کی روح سے اپنے آپ کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے - شہرآشوب ایک اعتبار سے سماجی و معاشرتی زندگی پر بھرپور تنقید بھی ہے اور آنے والے دور کی تیاری کیلئے ایک موثر حربہ بھی -

اس موضوع پر ابھی اور کام کرنے کی گنجائش ہے یہ مقالہ ایک اعتبار سے اس سلسلے کی ایک تعارفی کوشش ہے اگر موقع ملا تو آیندہ بھی ہم اسکے بعض گوشوں کو کھنگالنے کی کوشش کریں گے -

## شہر آشوب کی تعریف اور اس کی صنف کا تعیّن

ڈاکٹر سید عبداللہ شہر آشوب کی تعریف اسطرح کرتے ہین کہ "شہرآشوب دو لفظون کی ترکیب ہے اصطلاحی معنی مین شہرآشوب اس نظم کو کہتے ہین جس مین کسی شہر یا ملک کی اقتصادی یا سیاسی بے چینی کا ذکر ہو۔ یا پھر شہر کی مختلف طبقون کی مجلسی زندگی کے کسی پہلو کا نقشہ ہزلیہ طنزیہ یا ہجویہ انداز مین پیش کیا گیا ہو۔"[1]

سید مسعود حسین رضوی ادیب نے اپنے ایک مقالہ مین شہرآشوب کی اسطرح تعریف کی ہے کہ "شہرآشوب ایک صنف نظم کا نام ہے جو ابتداء مین ایسے قطعون یا رباعیون کا مجموعہ ہوتی تھی جن مین مختلف طبقون اور مختلف پیشون سے تعلق رکھنے والے لڑکون کے حسن و جمال اور ان کی دلکش ادأون کا بیان ہوتا تھا۔ صرفی اعتبار سے لفظ شہرآشوب یا مرکب اضافی ہے۔ اضافت مقلوب کے ساتھ یعنی "آشوب شہر" یا اسم فاعل ترکیبی ہے یعنی آشوب بندۂ شہر۔ اس لغوی حیثیت سے شہر آشوب کے ایک معنی ہوئے شہر کیلئے فتنہ و ہنگامہ دوسرے معنی ہوئے شہر مین فتنے و ہنگامے برپا کرنے والے حاصل دونون کا ایک ہے کیونکہ حسین و جمیل لڑکون کی ذات ہنگامون کا باعث ہو سکتی تھی اور یہی شہر آشوب کی وجہ تسمیہ ہے۔"[2]

اپنی اس دلیل اور شہر آشوب کی تعریف کو تقویت پہنچانے کیلئے جناب مسعود حسین رضوی ادیب نے حافظ اور جامی کے دو شعر ثبوت کے طور پر

---

۱۔ شہرآشوب کی تاریخ بحث و نظر ص ۲۷ پہلا ایڈیشن

۲۔ ضمیمہ نمبر ۵ نقوش شمارہ ۱۰۲ مئی سنہ ۱۹۶۵ء

اپنے مقالہ میں پیش کئے ہیں - جن میں لفظ شہر آشوب استعمال ہوا ہے -

حافظ
فغاں کیں لولیان شوخ و شیریں کار و شہر آشوب
چنان بردند صبر از دل کہ ترکان خوان یغما را

جامی
من نہ تنہا خواہم این خوبان شہر آشوب را
کیست در شہر آنکہ خواہان نیست روئے خوب را

حافظ محمود شیرانی نے شہر آشوب کی تعریف اسطرح کی ہے "اس قسم کی نظمیں جن میں پیشہ وروں کا قطعات کی شکل میں ذکر ہو شہر آشوب کہلاتی ہیں -"

ان تعریفوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شہر آشوب کی ایک قسم تو وہ ہے جس میں ایک مختلف پیشہ وروں کاریگروں اور شہر کے مختلف لڑکوں کے حسن و جمال کی تعریف کی گئی ہو ۔۔۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس میں ہمیں ایسی نظمیں ملتی ہیں جن میں کسی شہر یا ملک کی تباہی و بربادی کا حال بیان کیا گیا ہو یا پھر ملک کی اقتصادی حالت بادشاہ امراء اور عوام کی زبوں حالی کا ذکر طنزیہ یا ہجویہ انداز میں کیا گیا ہو -

لیکن جہاں تک اردو شاعری میں شہر آشوب کا سوال ہے اس کا مزاج فارسی اور ترکی مزاج سے بالکل مختلف ہے - یہ ٹھیک ہے کہ اردو شاعری کا مزاج فارسی کی آواز یا بازگشت ہے لیکن پھر بھی تاریخی اور جغرافیائی حالات اور رسم و رواج وغیرہ کی وجہ سے اردو کا مزاج اس کا اپنا مخصوص مزاج بن گیا -

ہمیں اردو کے شہر آشوبوں میں اس دور کی انحطاط پذیر تہذیب و تمدن سیاسی انتشار اور سماجی بدحالی کی نمایاں جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں - ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شہر آشوب ایک ایسی صنف نظم ہے جس میں اپنے دور کی معاشی سیاسی اور تہذیبی بدحالی کی عکاسی کی گئی ہو اور یہ ایسی شاعری ہے جس میں روح عصر کا عنصر زیادہ ہو -

اب همین یه دیکھنا ہوگا کہ ہم کن وجوہ کی بنا پر ان شہر آشوبون کو دوسری نظمون سے الگ کرسکتے ہین - اس تلاش کیلئے ہمین چند بنیادی چیزون اور شرائط کو مدنظر رکھنا ہوگا جس کی بنا پر ہم کہہ سکین کہ فلان نظم شہر آشوب کی حیثیت رکھتی ہے - بقول ڈاکٹر سید عبداللہ "اس کی پہلی شرط یہ ہوگی کہ اس مین کسی ملک یا شہر کے مختلف پیشون کا ذکر ہو - خصوصاً کاریگرون اور پیشہ ورون کا ذکر ـــ دوسری شرط اس نظم مین یہ ہونا چاہئے کہ اس مین اقتصادی اختلال یا کسی حادثے کی وجہ سے سیاسی یا مجلسی پریشانی کا ذکر ہو -"[1] جب ہم اردو کے شہرآشوبون پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمین ابتداء سے لیکر آخری دور تک ہر شہرآشوب ایک خاص عہد کی تمام حشر سامانیون کے ساتھ نظر آتا ہے -

پس منظر

شمالی ہندوستان مین اردو شاعری کی ابتداء عہد محمد شاہ سے شروع ہوتی ہے اور اس دور مین بھی جب کہ اردو شاعری کی ابتدا ہو رہی تھی کافی تعداد مین شہرآشوب لکھے گئے - آخر کیون کوئی شاعر شہرآشوب لکھنے کی طرف مائل ہوا؟ - اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دور کے بڑے شعراء جن کو احساسات کو کسی اور فارم مین ظاہر نہین کرسکتے تھے - انھون نے ترکی اور فارسی کے شہرآشوبون کے فارم کو اپنے مخصوص احساسات کا ذریعہ اظہار بنایا ـــ ان شعراء کا غیرشعوری طور سے اپنے عہد کے حالات سے متاثر ہونا ضروری تھا ان شہر آشوبون کے ذریعہ ہم اس دور کی صحیح تصویر با آسانی دیکھ سکتے ہین - ایک ایسی سلطنت جس کی حکمرانی ہندوستان کے ایک بڑے علاقہ پر ہو اپنی شان و شوکت کی آخری سانس لے رہی تھی اور شاعر جو دربار سے یا پھر امراء سے وابستہ تھا اس کا ان تمام نشیب و فراز سے متاثر ہونا ضروری تھا جس سے سارا ملک اور سلطنت متاثر ہو رہی تھی -

---

۱- شہرآشوب کی تاریخ - بحث و نظر نمبر ۱ صفحہ ۲۹

سلطنت مغلیہ کے زوال کی ابتداء شاہ جہانی عہد سے شروع ہو جاتی ہے شاہ جہان کے بیٹون مین سلطنت کیلئے رسہ کشی پھر حصول اقتدار کیلئے بڑی بڑی جنگین ہوتی ہین اور ایک بھائی دوسرے بھائی کے خون کا پیاسا ہو جاتا ہے - اورنگ زیب کی تخت نشینی کے بعد اکبر کی قائم کی ہوئی عظیم الشان سلطنت جس کی بنیاد قومی یکجہتی پر تھی اس کا زوال ہونے لگتا ہے - اورنگ زیب کے عہد کے ایک شاعر ملا بہشتی نے "آشوب نامہ ہندوستان"[1] کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے جس مین اس نے شاہ جہان کے بیٹون کی خانہ جنگی کا تفصیلی حال قلم بند کیا ہے اس خانہ جنگی کی وجہ سے عوام کے مختلف طبقات کی زبون حالی اور مختلف پیشون پر اس جنگ کے جو اثرات مرتب ہوئے ان کا ذکر کیا ہے - ملک مین بے روزگاری کی وبا کا عام ہونا ـــ اور تجارت کی کساد بازاری کا شکوہ کیا ہے - بہشتی کا "آشوب نامہ ہندوستان" فارسی زبان مین ہے لیکن یہ پہلی طویل نظم ہے جو ہزلیہ اور ہجویہ رنگ کے بجائے سماجی سیاسی اقتصادی انداز کی ہے -

ہم اردو شہر آشوبون کو چار حصون مین بہ آسانی تقسیم کرسکتے ہین - پہلے دور کو ہم سنہ ۱۷۰۰ء سے لیکر سنہ ۱۸۵۶ء تک دوسرا دور سنہ ۱۸۵۷ء کا دور دہلی اور پھر تیسرا دور سنہ ۱۸۵۷ء سے سنہ ۱۹۴۷ تک یعنی پہلی جنگ آزادی سے آزادی تک اور چوتھا دور سنہ ۱۹۴۷ء سے سنہ ۱۹۶۶ء تک یعنی آزادی کے بعد سے آج تک - ان مین پہلا دور اپنے مزاج کے اعتبار سے دوسرے دور سے کسی قدر مختلف ہے - پہلے دور مین شاکر ناجی - کمترین - حاتم - شفیق اورنگ آبادی - سودا - میر نظیر - قائم - جعفر علی حسرت - جرأت راسخ عظیم آبادی ہین - کیونکہ ان مین سے بیشتر ایسے شعراء ہین جو رئیسون کے دربار سے منسلک رہے اور جو بذات خود احمد شاہ ابدالی اور نادر شاہ کے حملون کی وجہ سے تباہ و برباد ہوگئے اور انہین دہلی کی تباہی کے بعد اپنے

---

۱ - ڈاکٹر سید عبداللہ بحث و نظر صفحہ ۴۴ و ۴۵

وطن کو چھوڑ کر مختلف جگہون کو جانا پڑا - جیسے میر سودا وغیرہ جو لکھنؤ چلے گئے - ان مین سے بہت سے ایسے شعراء ہین جو خود سپاہی پیشہ تھے یا پھر کسی رئیس کے نوکر تھے - اس لئے ان کے شہرآشوبون مین ذاتی غم زیادہ نمایان ہے -

دوسرے دور کے شعراء مین ایک صنف مشترک ہے اور وہ ہے دہلی اور تہذیب دہلی کا پرسوز و پردرد ماتم -- انھین دہلی کے درودیوار سے اتنی محبت نہین ہے جتنی کہ دہلی کے اہل کمال اور صاحب جمال لوگون سے ہے - یہی وجہ ہے کہ وہ شعراء دہلی کے زوال کو علم وفضل حسن وجمال اور تہذیب و شرافت کا زوال سمجھتے ہین اور اسی پر خون کے آنسو روتے ہین - اس طرح سے دہلی کے شعراء کا دائرہ محدود ہے اور وہ عظمت پارینہ کی یاد مین محو نظر آتے ہین - اس مین شک نہین کہ شعراء دہلی کے شہرآشوب ان کے اپنے ذاتی غم کے عکاسی ہین لیکن وہ پورے ملک اور نظام سلطنت کا احاطہ کرنے سے مجبور ہین -

پہلے دور کو سمجھنے کیلئے اس دور کے تاریخی سیاسی سماجی اور تہذیبی پس منظر کو ذہن مین رکھنا بہت ضروری ہے کیونکہ بغیر ان کو سمجھے ہوئے ہم ان کے ساتھ انصاف نہین کرسکتے - پہلے دور کے شہرآشوب تاریخی اور سیاسی حالات اور تہذیبی زوال کی صحیح صحیح نشاندہی کرتے ہین اور ان مین "روح عصر" پوری طرح سے جلوہ گر ہے -

اس دور کے شہرآشوب بہت پر آشوب زمانے مین لکھے گئے یعنی سنہ ۱۷۰۷ء [اورنگ زیب کی وفات] کے بعد سے سنہ ۱۷۱۳ء تک یعنی ۶ سال مین چار بادشاہ تخت پر بیٹھے - سنہ ۱۷۱۹ء مین فرخ سیر قتل ہوا -

محمد شاہ کے عہد مین دکن اور اودھ تقریباً خود مختار ہوگئے - جاٹ اور سکھ سیاسی طاقت کی حیثیت سے ابھرے - مرہٹون کی فوجین آگرے کے دروازے تک

پہنچنے لگین اور کچھ دنون کے بعد دہلی بھی ان کی زد سے نہ بچ سکی ۔ سنہ ۱۷۳۹ء مین نادر شاہ درانی اور پھر احمد شاہ ابدالی کے حملون نے دہلی کی مرکزیت اور رہے سہے مغلیہ اقتدار کے بھرم کو بھی ختم کردیا ۔ ان تمام حملون سے انتظام حکومت اتنا کمزور ہوگیا تھا کہ مختلف گروہون نے علم بغاوت بلند کیا ۔

محمد شاہ کے بعد اس کا ۲۲ سالہ بیٹا احمد شاہ تخت نشین ہوا ۔ ادھم بائی اس کی مان تھی یہ جاوید خان پر سب مہربان تھی اور اسی وجہ سے جاوید خان "ہفت ہزاری" منصبدار ہوگیا تھا ۔۔۔ مغل تاریخ مین یہ پہلا واقعہ ہے کہ ایک خواجہ سرا کو اتنا بڑا اعزاز نصیب ہوا ۔ اس سے امراء مین بےچینی پھیلی آخرکار صدر جنگ وزیر نے سنہ ۱۷۵۲ء مین جاوید خان کو مروا ڈالا ۔ احمد شاہ نے تخت نشین ہوکر "خواجہ سرا" جاوید خان کو "نواب بہادر" کا خطاب بھی دے ڈالا اور اختیارات سلطنت اس کے سپرد کردئے ۔

اخرکار احمد شاہ کو عماد الملک نے اندھا کردیا اور تخت سے اتار دیا ۔ اور عالمگیر ثانی تخت نشین ہوا ۔ عزیز الدین شاہ عالمگیر کے لقب سے ۵۵ سال کی عمر مین تخت نشین ہوا عماد الملک اس دور مین قلمدان وزارت کا مالک بن بیٹھا ۔ اس کا باپ جہاندار شاہ تھا یہ سنہ ۱۷۵۴ء مین تخت نشین ہوا ۔ "سنہ ۱۷۵۹ء مین اسے وزیر عماد الملک اور مہدی علی خان کی سازش سے فیروز شاہ کوٹلے مین دھوکے سے قتل کیا گیا ۔"

شاہ جہان ثانی سنہ ۱۷۵۹ء مین تخت نشین ہوا ۔ اور اس کی چند ماہ حکومت کے بعد شاہ ابدال نے قید کرکے اس کی جگہ "عالی گہر" کے لڑکے جوان بخت کو اس کا ولی عہد مقرر کردیا ۔۔۔ اس کے بعد شاہ عالم ثانی تخت نشین ہوا ۔

ان تمام تاریخی نشیب و فراز سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۷۲ سال مین ۱۲ حکمران تخت نشین ہوئے ان مین سے ہر ایک کی حکمرانی چند فوجی گروہون کے

گٹھ جوڑ اور درباری سازشون کی مرھون منت تھی - سیاسی انتشار اور پریشانی کا پورا پورا اندازہ بادشاھون شہزادیون شہزادون اور درباری امیرون کی حالت زار سے لگایا جاسکتا ھے -

اس انحطاطی دور مین سیاسی مزاج سے فرار حاصل کرنے کیلئے بادشاہ اور امراء و روساء سب کے سب عیش و عشرت مین پناہ ڈھونڈھ رھے تھے - اس فرار مین ضعیف الاعتقادی کا پیدا ھو جانا لازمی نتیجہ ھے -

دربار اور قلعہ مین صوفیون اور مرشدون کے اثر کا اندازہ عالمگیر ثانی کے قتل کے واقعہ سے لگایا جاسکتا ھے - خود محمد شاہ پر صوفیون کا گہرا اثر تھا - اس دور کے ایک مرشد شاہ مبارک کو "برھان الکریٹ اور شاہ بڈھا کو "برھان الحقیقت ---- اور شاہ اٹھر کو فصیح البیان کا خطاب محمد شاہ نے دیا تھا - وہ خود اکثر ان مرشدون کے یہان حاضری دیتا تھا - بادشاہ کے زیر اثر امراء اور وزراء نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا -

غرض ضعیف الاعتقادی اپنے عروج پر تھی تو اس کے ساتھ ساتھ عیش و عشرت کا بازار بھی گرم تھا - صرف امراء اور روساء ھی نہین بلکہ بادشاہ بھی بڑے اھتمام سے عیاشی مین مبتلا تھا - لال کنور اور جہاندار شاہ کا واقعہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ھے -[1]

روساء اور امراء کا حال بھی بادشاہ سے کسی طرح کم نہ تھا - ضمیرالدین خان اعتمادالدولہ محمد شاہ کے وزیر تھے ان کی شراب نوشی کی داستانین تاریخ کا جز بن چکی ھین - ایک دوسرا امیر "مرزا منو" تھا جس کی محفل کو غلمان کی کثرت کی وجہ سے "بہشت شداد" کہا جاتا تھا -

---

۱ -

ایک امیر لطیف خان "سرگرم صہبا پرستی" ہین ان کے یہان نعمت خان اور نور بائی جیسے موسیقار شریک بزم ہین - ایک اور محمد شاہی امیر کسل رنگی نے طوائفون کی ایک بستی "کسل پورہ" آباد کیا تھا -

ان رنگ رلیون سے ہٹ کر تصویر کا دوسرا رخ تاریخ کا درد ناک باب بن چکا ہے - اس دور مین شہزادے اور شہزادیون کی حالت کا نقشہ شاکرخان جو شہزادہ عالی گہر کا دیوان تھا اس طرح بیان کرتا ہے کہ "ایک دن خیرات خانہ کا شوربہ بھائنہ کیلئے شہزادے کے پاس لے گیا تو اس نے کہا کہ یہ محل کی بیگمات کو دے دو - کیونکہ حرم کے مطبخ مین تین دن سے چولھا نہین چلا ہے ـــــ ایک دفعہ قلعہ کی بیگمات نے بھوک کی شدت سے بیتاب ہوکر محل سے نکلکر شہر جانا چاہا اس بھوک کی شدت مین انھین پردہ کا بھی خیال نہ رہا لیکن چونکہ قلعہ کے دروازے بند تھے اسلئے مجبور ہوکر اس دن ایک رات وہین بیٹھی رہین -[1] شاکرخان لکھتا ہے کہ محمد شاہ کے بعد مغل خزانے کی حالت اور بھی ابتر ہوگئی اور نوبت یہان تک پہنچی کہ ـــ احمد شاہ کے زمانے مین شاہی محلات کے ساز و سامان کی فہرست بتاکر دوکانداروں کو دے دی گئی - تاکہ اس کو فروخت کرکے سپاہیون کی تنخواہین ادا کردی جائین -[2] فوجیون نے افلاس سے تنگ آکر گھوڑے بیچ دئے تھے پیدل فوج کے پاس پہلن وردیان نہین رہی تھین - جانورون کو چارہ نہ ملتا تھا اس وجہ سے وہ مرنے لگے تھے - اپنے کمرون سے باہر نہ نکلتے تھے بعض اوقات شاہی سوارون کی ہمراہی مین بھی نہ ہوتے تھے -[3]

---

۱- جادوناتھ سرکار - ہسٹری آف اورنگ زیب

۲- تذکرہ شاکرخان - بحوالہ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات

۳- تاریخ عالمگیر ثانی (قلمی) - شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات

ایسے پر آشوب زمانے مین جب کہ مغلیہ سلطنت کی چول چول ڈھیلی ہوگئی تھی اور ان کے امراء اور رؤساء عیاشی مین لگے ہوئے تھے تہذیب و تمدن اپنے حدون کو توڑ کر انحطاط کی طرف جا رہی تھی - ایسے پر آشوب دور مین ہمین شاعری مین بھی اس کا شدت سے احساس ہوتا ہے - اور روح عصر کی بیقراری کا جذبہ جو شاعرون نے غیر شعوری یا شعوری حیثیت سے پیش کیا ہے وہ ادب عالیہ مین اپنا مقام رکھتا ہے - ان تمام شہر آشوبون کے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ شاعر نے شعوری طور سے ان تمام واقعات کو قلم بند کیا ہے - اور اس کو احساس تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے - ورنہ اگر یہ احساس نہ ہوتا تو بیان مین اتنی شدت پیدا نہ ہوتی اور نہ تاریخ کا حوالہ ملتا اور نہ اس دور کے امراء اور روساء کے نام اور ان کی حرکات کا ذکر شہرآشوب مین کیا جاتا - صرف قائم چاند پوری کا ۳۵ بند کا شہر آشوب پڑھ لیجئے اور اندازہ کیجئے کہ کس قدر ان کی تاریخی اور سیاسی بصیرت اپنے عروج پر ہے - اور کس قدر کھل کر انھون نے اپنے عہد کے سماج اور بادشاہ پر تنقید کی ہے -

پہلا دور

اب ہم یہ کوشش کرتے ہین کہ ان شہر آشوبون کو پیش کرین جو پہلے دور سے متعلق ہین - ان کی زبانی ترتیب مشکل ہے -

شاکر ناجی ---- عہد محمد شاہی کے شاعر ہین انھون نے اپنے دور کی عکاسی بہت خوبی سے شہر آشوب مین کی ہے اور محمد شاہی عہد مین فوج کی ابتری کو بہت اچھے انداز مین دکھایا ہے - اس شہر آشوب کے صرف دو بند "آب حیات" اور "مجموعہ نغز" مین ملتے ہین -

لڑے ہوئے تو برس بیس ان کو بیتے تھے
دعا کے زور سے دائی دوا کے جیتے تھے
شرابین گھر کی نکالے مزے سے پیتے تھے
نگار و نقش مین ظاہر گویا کہ چیتے تھے
گلے مین ہنسلیان بازو اپر طلا کے نال

قضا سے بچ گیا مرنا نہین تو ٹھانا تھا
کہ ہین نشان کے ہاتھی اپر نشانا تھا
نہ پانی پینے کو پایا وہان نہ کھانا تھا
ملے تھے دھان جو لشکر تمام چھانا تھا
نہ ظرف مطبخ و دکان نہ غلہ و بقال

شاکر ناجی کا مزاج عام ہجویہ تھا لیکن ملک کی عام ابتری خانہ جنگی اور تاراجی قتل عام کے احساس کی وجہ سے شاکر کا ہجویہ انداز سیاسی حالات کی طرف پلٹ گیا اور اس تباہی و بربادی کا احساس ان کے ذاتی غم کی غمازی کرتا ہے -

بقول ڈاکٹر سید عبد اللہ "شاکر ناجی کی اہمیت یون بھی بڑی ہو جاتی ہے کہ اردو مین پہلے انھون نے ہجویہ انداز کو سیاسی ہجو گوئی مین بدل

دیا - اب ہم دوسرے شعراء پر نظر ڈالتے ہین تو ہمین یہ احساس ہوتا ہے کہ بعد کے شعراء نے شاکرناجی کی پیروی کی ہے اور ناجی نے اردو مین شہر آشوب کی راہ متعین کردی جس پر آنے والون نے راستہ اور صاف کردیا۔[1]

شاہ حاتم ---- سپاہی پیشہ تھے امیرخان عمدۃالملک کے مصاحبت مین عزت اور فارغ البالی بلکہ عیش وعشرت سے بسر کرتے تھے چونکہ محمد شاہی دور تھا اس دور کے رواج کے مطابق نوجوانون کے تمام شوق پورے کرچکے تھے پہلے رنگین مزاج تھے لیکن پھر میر بادل علی شاہ کی صحبت مین رہے اور انھین کے مرید ہوکر دنیا کے عیش سے کنارہ کشی اختیار کی اور توکل پر گزارہ کیا ---- شاہ موصوف باوجودیکہ نہایت مہذب اور متین تھے اور عمر مین بھی سن رسیدہ ہوگئے تھے مگر بہت خوش مزاج ظریف اور نہایت خلیق تھے۔[2] آخر عمر مین اپنے کلمات سے انتخاب کرکے ایک چھوٹا سا دیوان مرتب کیا - اور اس کا نام "دیوان زدہ" رکھا اور اس پر ایک مفید مقدمہ بھی لکھا۔

شاہ حاتم کی دو نظمین "بارہ صدی" کے عنوان سے ملتی ہین - دونون شکل مین مخمس اور موضوع کے اعتبار سے شہر آشوب ہین -

مسعود حسین رضوی اپنے مقالے مین لکھتے ہین کہ " ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاہ حاتم نے نظمون کا عنوان شہر آشوب کے بجائے بارہ صدی اسلئے رکھا ہوگا کہ اپنے عہد اور خود اپنی زندگی کے نشیب وفراز کو اپنا موضوع بنانا چاہتے ہون اسلئے انھون نے شہر آشوب کے بجائے اس کا عنوان بارہ صدی رکھ دیا کیونکہ ان کی حیات کا زمانہ بھی "بارہ صدی" ہے۔[3]

---

۱- ڈاکٹر سید عبداللہ شہرآشوب کی تاریخ "بحث ونظر" صفحہ ۴۹

۲- آب حیات صفحہ ۱۳۸

۳- "شہر آشوب" مطبوعہ نقوش شمارہ نمبر ۱۰۲

اس نظم کو موضوع کے لحاظ سے ہم شہر آشوب تسلیم کرسکتے ہین کیونکہ اس مین نئے مفہوم کی مادی علامتین اور شرایط موجود ہین -

شاہ حاتم اپنی صدی "یعنی بارھوین صدی ہجری کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہین :

توکھول چشم دل اور دیکھ قدرت کرتار
کہ جن نے ارض و سما اور کیا ہے لیل و نہار
نوا کے سیس لگا رہ سدا تو ہر کے دوار
کہ دور بارہ صدی کا ہے سخت ناہنجار
جہان کے باغ مین یکسان ہے لب خزان و بہار

حاتم کے شہر آشوب کا بنیادی موضوع وہ سماجی انقلاب ہے جو نادری حملے سے وجود مین آیا تھا جس کی وجہ سے دہلی اور ملک کا سارا نظام ناہموار ہوگیا تھا - مختلف طبقے اپنی حیثیت کھوچکے تھے اور عہد محمد شاہی مین نچلے طبقے مالدار ہورہے تھے - حاتم خود اعلی طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور اس محمد شاہی امیر عمدۃالملک کے ہم جلیس تھے جو خود محمد شاہ کا ہم جلیس اور بادشاہ کا خاص مقرب تھا -

نادر شاہ کے حملے اور اورنگ زیب کی وفات کے بعد کا سب سے اہم واقعہ ہے کہ اس حملے نے ملک کا خزانہ خالی کردیا - امراء اور رؤساء کو بھوکا ننگا کردیا - خود حاتم بھی اس انقلاب کی ایک مصیبت مین رہے تھے - اور امراء کے بھوکے ننگے ہونے اور نچلے طبقے کے لوگون کی ترقی پر کف افسوس ملتے ہین -

نادری حملے کے اثرات کے متعلق سر ہنری ایلیٹ لکھتا ہے کہ "غریب کہ جب چند روز مین خزانے اور لوگون کی ذاتی دولت اپنے قبضے مین لانے سے فرصت ملی تو معلوم ہوا کہ اپنے سونے چاندی کے برتن جواہرات سے

مرصع اسباب اور نفیس چیزین حاصل ہوئین تھین دفتر نویس ان کی فہرست بنانے نہایت عاجز آگئے تھے - تخت عادلسی بھی اس مین شامل تھا دو کڑوڑ روپیہ کے جواہرات نادر شاہ کے خزانے مین منتقل ہوگئے - دارالخلافہ کے امراء و رؤساء اور مختلف علاقون کے صوبیدارون نے کڑوڑون اور لاکھون روپئے کے نقد جواہر موصع آلات نفیس سامان ہدیہ کے طور پر نادر شاہ کو پیش کئے -" ۱

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حاتم کے جو سرپرست امراء تھے ان کی کیا حالت ہوئی ہوگی اور خود حاتم بھی امیرون حاکمون محتسب اور اہلکارون کی بد اخلاقی اور بد اعمالی کی شکایت اپنی "بارہ صدی" مین کرتے ہین :

شیون کے بیچ عدالت کی کچھ نشانی نہین
امیرون بیچ سپاہی کی قدردانی نہین
بزرگون بیچ کہین بوئے مہربانی نہین
تواضع کھانے کی چاہو کہین تو پانی نہین
گویا جہان سے جاتا رہا سخاوت و پیار

اس تباہی و بربادی مفلسی اور فاقہ کشی کے بعد سرکاری حاکم اور قاضی کی بد اعمالی کا نقشہ دیکھئے :

یہان کے قاضی و مفتی ہوئے ہین رشوت خور
یہان کے دیکھیو سب اہل کار ہین گے چور
یہان کرم سے نہین دیکھتے ہین اور کی اور
یہان سبھون نے بھلائی ہے دل سے موت اور گور
یہان نہین ہے مدارا بغیر دار و مدار

---

۱- تاریخ نادری صفحہ نمبر ۲۵۵

اس کے بعد جو لوگ پہلے امیر تھے ان کی حالت کا نقشہ حاتم پیش کرتے ہین :

امیرزادے ہین حیران اپنے حال کے بیچ
تھے آفتاب پر اب آگے زوال کے بیچ

امیرون کی تباہی اور "کزدالون" کی ترقی پر حاتم کو سخت افسوس ہے :

کزالے آج نشے بیچ زر کے ماتے ہین
پہن لپا سی زری سب کو سچ دکھاتے ہین

نظر مین آتے ہین پر کیسے آج نائی کے
اکڑتے پھرتے ہین بچی کے دودھ دائی کے
پھرین ہین چکنے جہان بیچ آج تیلی کے
ملین ہین تیل سدا بیلے اور چنبیلی کے
ہوئے ہین صاحب مال و زر حویلی کے
رکھین ہین شوق سدا دل کے بیچ سیلی کے
گئے ہین بھول غذائے قدیم ماش و جوار

حرام خور جو تھے اب حلال خور ہوئے
جو چور تھے وہ ہوئے شاہ شاہ چور ہوئے
جو زیر دست تھے سو ان دنون مین زور ہوئے
جنھون کو زور تھا سو ایسا مثال مور ہوئے
جو خاک چھانتے پھرتے تھے سو ہوئے زردار

حاتم کے ان اشعار سے ایک بات کی طرف خیال جاتا ہے - یہ ٹھیک ہے کہ امراء فقیر ہوگئے - لیکن سماج کا وہ طبقہ جو صدیون سے غلامی اور جانورون جیسی زندگی بسر کر رہا تھا اور جو زندگی کی لذت سے ناواقف تھا وہ اس حملہ سے آسودہ حال نظر آتا ہے اور زندگی کی لذتون سے بہرہ ور ہونے کی جب کوشش کرتا ہے تو حاتم کو ماضی کی عظمت یاد آجاتی ہے اور وہ ان کو کوسنے لگتے ہین -

جہان مین صاحب شمشیر ہین گر صیقل گر
ہے گندھیون کا عطر سدا دکان اور گھر
ہمیشہ نازان ہین بھڑبونجے اپنے بختون پر
امیر دودھ ملائی دھی کے ہین خوگر
بنا ہوا ہے خانۂ نقاش رشک نقش و نگار

دلون کے بیچ صفائی نہین ہے یارون مین
کہین جو ہوئے ہین شاید نواب ہزارون مین
صندوق ساز کے زر ہے بھرا اٹارون مین
جو تھے سئیس سو نوکر ہین اب سوارون مین
عراقیون کے ہوئے سر طویلہ حمار

حاتم کا دوسرا شہر آشوب یعنی دوسری "بارہ صدی" بھی پہلی نظم کا ایک حصہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس مین بھی وہی باتین اور وہی نچلے طبقے کی خوش الحالی پر رشک معلوم ہوتا ہے -

عجب یہ دور ہے شرفا کا کہین نہین زرگار
یہین نجیب قسم زندگی سے ہین بیزار
ہزارون عمدے پڑے پھرتے ہین خدائی خوار
کہو تو کس طرح ہووے پیسہ گری کا وقار
بہادر ہائے غضب ہیجڑے کہاتے ہین

اپنے دور کی بدحالی اور محمد شاہ کی عیاشی خزانے کا خالی ہونا - درباروں کی سازش اور امراء کا بادشاہون کو کٹھ پتلی بنانا اور پھر وزراؤن مین حصول اقتدار کیلئے جنگ - نادر شاہ کا دہلی مین قتل عام - جاگیر کی ضبطی فوجون کا تنخواہ نہ ملنے پر برا حال - مرکزی حکومت کی کمزوری سے مختلف صوبون کے گورنرون کا خود مختار ہونا - ان سب کیلئے حاتم بادشاہ کو مورد الزام قرار دیتے ہین -

رسائے نقدی کی بالکل طلب سے رو بیٹھے
سب امیر جاگیروں سے ہاتھ دھو بیٹھے
غنیم چاروں طرف صوبیدار ہو بیٹھے
جہاں پناہ ستئین ملک کو ڈبو بیٹھے

ہمارے دیکھتے ہی کچھ زمانہ اور آیا
دلوں سے مہر گئی ایسا جفا و جور آیا
نجیب کیا کریں دنیا کا اور طور آیا
کمینے پھیل گئے پاچیوں کا دور آیا
گلی و کوچوں میں بن کے سجیں دیکھاتے ہیں

اشرف علی خان فغان ـــ یہ احمد شاہ بادشاہ کے کوکہ تھے بذلہ سنجی کی وجہ سے احمد شاہ نے ان کو "ظریف الملک کوکہ خان" خطاب دیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کے دہلی پر حملوں نے ملک کے نظام کو درہم برہم کردیا تھا۔ فغان ان حالات سے تنگ آکر مرشدآباد اپنے چچا ایرج خان کے پاس چلے گئے۔ لیکن کچھ دنوں کے قیام کے بعد نواب شجاع الدولہ نے انھیں اودھ بلوایا اور ان کی بہت زیادہ عزت اور انھیں وقار سے رکھا ـــ اودھ سے یہ پھر عظیم آباد گئے اور راجہ شتاب رائے جیسے قدردان ادب کی سرکار سے منسلک رہے اور اختیار و اقتدار حاصل کیا۔ لیکن یہاں کسی بات پر شتاب رائے سے ان کی بگڑ گئی ـــ آخری عمر میں انگریزوں سے بھی تنہائی پیدا کرلی تھی۔ خوشحالی کی زندگی بسر کرتے رہے۔

ان کی ۱۱ شعر کی ایک نظم شہرآشوب "سرگذشت لشکر" کے عنوان سے ملتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابدالی کے حملوں سے ملک اور فوج کی کیا حالت ہوگئی تھی اور عوام کا کیا حال ہوا ہوگا جب کہ خود فغان احمد شاہ بادشاہ سے چھپتے تھے۔ انھیں دہلی چھوڑنا پڑا اس کی ردیف ہی "فاقہ" ہے

اس سے سماجی اور سیاسی ابتری کی شدت کا احساس ہوتا ہے حالانکہ اس دور میں اور لوگوں نے بھی اس حالت کو بیان کیا ہے لیکن فغان کے سامنے یہ فاقوں کا مسلہ ایک دو روز کا نہیں تھا بلکہ ـــــ

کیونکر کٹیں گے یارب یہ بے شمار فاقے
مجھکو تو دوسرا ہے نظروں کو چار فاقے
اعلی سے تابہ ادنی جتنے بھی گرسنہ ہیں
لشکر میں ہوگئے ہیں اب بے شمار فاقے
کوئی اگر سپاہی سردار سے کہے ہے
لینا خبر شتابی مرتے ہیں یار فاقے

یہ مغل فوج کے سپاہیوں کے حال زار کی تصویر کشی تھی ۔

کل سے نفر نے میرا گھوڑا نہیں ملا ہے
مقدور نہیں بشر کا کاٹے ہزار فاقے

اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ انسان کی ہمت فاقہ کشی سے جواب دے رہی ہے یہ تو جانور ہیں ان کا عالم یہ ہے کہ بھوک کی شدت سے یہ ہل تک نہیں سکتے ۔

سن کر اسے یہ کہنا لکھیا ہے حال سب کا
تیرا نفر ہے بھوکا ـــ سرے کہار فاقے

یہاں تو جانوروں کا ذکر کر رہا ہے کہ وہ فاقے کر رہے ہیں لیکن انسانوں کا حال بھی دیکھیے ۔ اس دور کے رئیس اور دیوان کے گھروں کے نوکروں کی یہ حالت ہے کہ ـــــ

دیوان کے تو در پر دربان یوں کہے ہے
کیا لکڑیوں کو کھاویں یوں چوبدار فاقے

اس مین صرف امراء اور رئیسون کی حالت ہی خراب نہین بلکہ یہ وقت بادشاہ پر بھی آن پڑا ہے -

شاہ و گدا کی حالت یکسان سے ہے صاحب
تنخواہ دار بھوکے ـــ روزینہ دار فاقے
مرغ چمن کو اب تو ملتا نہین زر گل
بلبل نے اس چمن مین کاٹے ہزار فاقے
بندے سبھی خدا کے کہتے پھرے ہین "الجوع"
القصہ کیا کہون مین سارا دیار فاقے

آخری شعر مین وہ ملک کی فاقہ کشی کا ذکر کرکے اس نظم کو ختم کرتے ہین -

سعادت یار خان رنگین

یہ شاہ حاتم کے شاگرد رشید تھے رنگین ریختی کے موجد تسلیم کئے جاتے ہین - ان کا زمانہ بھی عہد محمد شاہی ہے - محمد شاہی دور جہان تباہیون اور بربادون کا کھلا نقشہ تعین کرتا ہے وہان ہر طرف سے آنکھین بند کرکے بادشاہ یعنی محمد شاہ خود رنگیلہ مشہور تھے - عیش و طرب کی محفلین گرم ہوتی رہین تو دوسری طرف خانقاہی نظام اپنے عروج پر پہونچ گیا تھا اس دور مین خانقاہ ایک ایسی پناہ گاہ بن گئی تھی جہان حالات سے نظرین چرا کر کچھ دیر کیلئے آرام کیا جاسکتا تھا ان بزرگون، خانقاہون اور مزارات دولت کی بنیاد اقتصادی اور سیاسی بدحالی پر تھی - رنگین نے بھی اپنے اس کا ضرور شہر آشوب لکھا لیکن افسوس کہ وہ پورا ہمین دستیاب نہ ہوسکا - دوسرے عوام ذرائیہ حصہ مل سکا ہے - اس سے اس دور کی خانقاہ پرستی اور [illegible] پر اچھی طرح روشنی پڑتی ہے ـــ

سنو بیان ایک میرا یارو * منصف ہو تو سن کر رو دو
اک دن مجھکو یہ سوج آیا * یعنی زمانہ نے ہے ستایا
اس دنیا مین آئے جب سے * چین نہین مطلق ہے تب سے

ان شعرون سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس دور مین حالت اتنی بری ہوگئی تھی کہ آدمی مجبور اور تلاش معاش مین سرگردان رہنے کے باوجود بھی ناکام رہتا تھا اور پھر اس کو اپنے دور کی مقبول عام خانقاہون کا سہارا لینا پڑتا تھا - کیونکہ انسانون کے پاس دولت نہین تھی اور نہ آنے کی امید تھی ـــ

دولت اپنے پاس نہین ہے * کسکی آمد کی آس نہین ہے
فکر معیشت نے مارا * کیجئے کس صورت سے گذارا
ہوا بہت سا جب مین مضطر * تب یہ کہا دل نے کھکھیا کر
کیون رو دل کیا مرتی ہے تیری * فکر تجھے کسکی ہے بھی میری
چیز بڑی دنیا مین ہے دولت * بن اس کے ہوتی ہے ذلت
کھیتی کر تو یا کر تو تجارت * نوکری کر یا باندھ کے ہمت

ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جینے کے تمام طور طریقون کی آزمائش کرلیتا تھا اور یا تو کھیتی کرتا تھا یا پھر تجارت کی طرف راغب ہوتا تھا - اس دور مین نوکری کرنا ایک ہمت مردانہ کام تھا اور پھر نوکری کرین تو تنخواہ ندارد -

سن کر دل نے یون کہان مجھکو * خاص مین کہتا ہون تجھ کو
ہووئے اگر امداد الٰہی * سب سے بہتر یاد الٰہی
صبر کی داد خدا ہی دے گا * دل کی مراد خدا ہی دے گا

آخر مجبور ہوکر انسان فقیرون کے گروہ مین شامل ہوجاتا تھا کیونکہ یہ اس دور مین عزت شہرت دولت اور تمام دنیا کے آلام سے نجات کا ایک حسین اور پر فریب راستہ تھا ـــ

شاہ عالم کے عہد کا ایک اور شاعر قائم چاند پوری ہے - قیام الدین نام قائم تخلص اور چاند پور کے رہنے والے تھے - محمد حسین آزاد نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ "قائم فن شعری میں کامل تھے ان کا دیوان ہرگز میر مرزا سودا کے دیوان سے نیچے نہیں لکھا جاسکتا - مگر قبول عام اور شے ہے زیادہ شہرت نہ پائی - پہلے شاہ ہدایت کے شاگرد ہوئے - ان سے ایسی بگڑی کہ ہجو کہی - پھر خواجہ میر درد کے شاگرد ہوئے ان کے حق میں بھی کہہ سن کر الگ ہوئے - پھر مرزا سودا کی خدمت میں آئے ان سے بھی بچھڑے مرزا سودا تو مرزا تھے انھوں نے ٹھیک کیا -"[1]

مولانا محمد حسین آزاد نے یہ بھی لکھا ہے کہ "جب قائم سودا کی شاگردی سے منحرف ہوگئے تو سودا نے ان کی ہجو میں "ساقی نامہ" لکھا - قائم گھبرائے ہوئے آکر خطا معاف کروائی - مرزا نے ان کا نام نکال کر ایک فرضی شاعر فوقی رکھ دیا -[2] اس اقتباس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قائم کی طبیعت سیماب صفت تھی اور یہ کسی کو خاطر میں لانے والے نہیں تھے - وہ جب ایسے ایسے باکمالوں کو خاطر میں نہ لائے تو پھر بادشاہ اور امراء کا تو سوال دور کا ہے -

قائم چاند پوری بھی عہد محمد شاہی کے ایک امیر امیر خان عمدۃالملک کے دوستوں اور ان کے ہم جلیسوں میں سے تھے عمدۃالملک کا سکۂ دربار محمد شاہ میں چل رہا تھا - وہ بادشاہ کا خاص مقرب رئیس تھا -

ظاہر ہے کہ اس دور کی انتشاری کیفیت کا اندازہ قائم کے شیر آشوب سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے -

---

۱- حاشیہ آب حیات صفحہ نمبر ۱۹۰

۲- آب حیات صفحہ نمبر ۱۹۰

قائم کا زمانہ شاہ عالم عالی گوہر کا دور حکومت ہے - شاہ عالم کا زمانہ ہی اگرچہ کہ ۴۵ ۴۷ سال کا دور حکومت رہا ہے لیکن اس مین ایک طرف مرہٹون کی شورش اور وزیرون کی سازشون اور فرنگیون یعنی انگریزون کا عمل دخل شروع ہوگیا - صوبہ عظیم آباد پر شاہ عالم اور وزیر شجاع الدولہ کی انگریزون سے لڑائی ہوئی - ایکن انگریز اپنے ساتھ جدید اسلحہ لیکر دور نئی فوجی تنظیم کے ساتھ تھے اسی وجہ سے لڑائی مین بھاری رہے - مغل فوج مین وہ جراءت اور تنظیم نہین تھی جو اکبر کے عہد مین تھی یا پھر اورنگ زیب کے دور حکومت مین تھی نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ ہی جو کبھی خود فوج کی سرداری کرتا تھا اس جنگ مین تماشائی بنا رہا اور اس کو شکست ہوئی - انگریزون نے اس شکست سے فائدہ اٹھایا اور شاہ عالم کو دو لاکھ سالانہ کا وظیفہ خوار بنادیا -

اس دوران مین جواہر سنگھ اپنے باپ سورج مل کا بدلہ لینے کیلئے [جو شجاع الدولہ کے ہاتھون جنگ مین مارا گیا تھا] مرہٹون راو ہلکر کی اعانت سے نجیب الدولہ پر حملہ آور ہوا - اور دہلی کا محاصرہ کرلیا - اس محاصرہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ملک مین اناج کی قلت ہوگئی اور ساری رعایا اس سے تنگ آگئی تھی - جنگ و جدال اور کشت و خون کا سلسلہ قریب قریب دو ماہ تک جاری رہا -

اس دوران مین احمد شاہ ابدالی کے حملے کی خبر گرم تھی وہ اس سال شاہ آباد تک آگیا تھا لیکن سکھون کی سورش سے ناکام لوٹ گیا -

اسی زمانے مین جواہر سنگھ اور مرہٹون مین لڑائی ہوئی - دوسری طرف سکھون نے سر اٹھایا - جواہر سنگھ سنہ ۱۷۶۷ء مین مارا گیا - پھر نجیب الدولہ اور مرہٹون کی لڑائی ہوئی - مرہٹون اور ضابطہ خان کی لڑائی ان سب کا حال قائم کے شہر آشوب مین ملتا ہے -

قائم کا یہ شہر آشوب تاریخی، سیاسی اور تمدنی حیثیت سے بہت اہمیت رکھتا ہے - کیونکہ قائم کی طبیعت مین سماجی کیفیت تھی اور وہ اپنے دور کے بزرگ ترین استادون کو بھی خاطر مین نہ لاتے تھے تو پھر ان کا انداز بھی اس شہر آشوب مین بادشاہ کی ہجو سے شروع ہوتا ہے -

کہا یہ شہ کہ علم پر اسکی نگاہ ہے
ہاتھون سے اسکے ایک جہان داد خواہ ہے
بچا لیجیو اب آپ ساتھ لیکر سپاہ ہے
ناموس خلق سائے مین اس کے تباہ ہے
شیطان کا یہ ظل ہے نہ ظل الہ ہے

اس پہلے بند سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ قائم اس تمام فتنہ و فساد کی جڑ شاہ عالم کو سمجھتے تھے - اور شاہ عالم کی جو حیثیت ہوگئی تھی اس سے انھین تکلیف ہوتی ہے اور وہ پچھلے مغل دور کو یاد کرتے ہین جب بادشاہ کی حیثیت کٹھ پتلی جیسی نہین تھی -

رہتی تھی ایک خلق کے جس مین یہ آرزو
ہووے گا بادشاہ بھی پھر ہند مین کبھی
تا زمزمہ وہی ہون سحر نو وہی غلو
سو آسمان نے لاکے مسلط کیا ہو تو
جس کے ستم سے چار طرف آہ آہ ہے

تیسرے مصرعہ مین بھی وہ ظلم کا سہرا شاہ عالم کے سر باندھتے ہین -

لشکر مین مرہٹہ کے جو کوئی رہے ہین بند
دیکھے ہین انکے ظلم کے سب پست اور بلند
اب نلم فوج سن کے وہ بھاگین ہین جون پرند
سچ ہے کہ جس کو سانپ سے پہنچے کبھی گزند

سمجھا تو اس قدر بھی اسے بھڑوے حیث خو
کس پر ہوا یہ مظلمہ لوٹا کنہوں نے زر
ہر نیک و بد میں آدمی کرتا ہے یاں نظر
تو تو خدا کے فضل سے اس باپ کا پسر
جس کا خطاب "شاہ حماقت پناہ" ہے

اس بند میں قائم اپنی تنگ مزاجی میں بادشاہ کو بھڑوے خبیث گدا کے خطاب سے سرفراز کرتے ہیں - اور پھر یہ ارشاد کہ یہ سب کچھ بادشاہ یعنی شاہ عالم اس لئے کر رہا ہے کہ تو اس باپ کا بیٹا ہے جس کا خطاب "شاہ حماقت" ہے اسلئے یہ کوئی تیسری ذاتی نہیں بلکہ خاندانی روایات میں داخل ہے -

قائم یہاں تک ہی بس نہیں کرتے بلکہ شاہ عالم کے اباو اجداد کے کارنامے گناتے ہیں -

دادا ترا جو لال کنور کا تھا مبتلا
کہتا تھا کشتیوں کے ڈبونے کو برملا
اس خاندان حمق کا جاری ہے سلسلہ
دو دوشی کسطرح سے میں تر تئیں بھلا
آخر گدھا ہے تو انکا ترا عذر خواہ ہے

اے ماچہ خر نو خر سے نبر بلکہ خرکا ننگ
پیدا تری جبیں سے ہیں سارے گدھوں کے ڈھنگ
شوخی کو تیری دیکھ کے الو ہوئے ہیں دنگ
بھڑوں میں ہے جہاں کے تو بھڑوے بڑا بھڑنگ
احمق تو اور بھی ہیں پر تو بادشاہ ہے

ان دو بندوں میں قائم نے تاریخی حالات کی طرف نشاندہی کی ہے جو جہاندار شاہ نے لال کنور نامی ایک طوائف کو اپنی ملکہ بنایا تھا ایک دن

لال کنور کے کہنے سے کہ ہم نے آج تک کشتیوں کے ڈوبنے کا منظر نہیں دیکھا - جہاندار شاہ نے حکم دیا کہ کشتیاں جمنا میں ڈبوئی جائیں اور ایسا ہی ہوا -

ان دو بندوں سے قائم کے تاریخی شعور کی اور ان حالات کی نشاندہی ہوتی ہے جو قائم کے دور تک قائم تھے اس دور میں بادشاہوں کا کام صرف عیاشی رہ گیا تھا - اور عوام کا حال مختلف حملوں مرہٹہ سکھوں اور پھر انگریزوں کے دخل کی وجہ سے سارا نظام حکومت چوپٹ ہوگیا تھا - شہر تو درکنار قصبات کا یہ حال تھا کہ

قصبات اک جگہ تھی شریفوں کی بود و باش
فاسق نظر پڑے جو کوئی واں بصد تلاش
عصمت زنوں کی عفت مریم سے زیادہ فاش
تقوے کی رو سے مرد فرشتوں کی سی معاش
سو بھوکھ سے حرام پہ انکی نگاہ ہے

پر کیا کریں جو تنگی سے پہنچے یہ آکے کام
دس دس دن ایک شخص کو مٹھی چنے حرام
کرنے سے مثل بجو نہیں اک جگہ قیام
جوں موج جو ہے پانو سے سوچا پھٹا تمام

خانہ جنگی کی وجہ سے عوام کی حالت کا اندازہ اور ملک کی غذائی صورت حال کا بھی اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب جواہر سنگھ نے دلی کا محاصرہ کرلیا ہوگا تو یقیناً لوگوں کو دس دس دن تک مٹھی بھر چنے نصیب نہیں ہوئے ہونگے -

تن زیب پر کے جنھیں آتی تھی جی میں عار
خاصہ ہمیشہ چشم میں ان کی تھا یہ وقار

سو ظلم سے تر ہین وہ یان تک ذلیل و خوار
دستار موئے سرسے ہے رب ان سرون پہ بار

تیسرے دور مین شرفا کا یہ حال ہوگیا اور وہ اس قدر ذلیل و خوار ہوئے کہ ان کے سرون پر دستار جو کبھی دبدبہ اور وقار کی علامت تھی وہ بھی اب ایک بوجھ بن گئی ہے -

جو شہر لمین تھے مصر مین ہر چیز سے خراج
ٹھیکے دوا کے کنج مین رہتے تھے جو انا ج
وان درد سے شکم کے کوئی مونہ جاؤ آج
کس چیز سے حکیم کرے بیٹھ کر علاج
نے زیرہ ہے نہ سونف ہے نے نان خواہ ہے

قائم اس دور کا نقشہ کھینچ کر یہ دکھاتے ہین کہ یہی شہر جو مصر کی طرح خوشحال تھا اور اس کی شہرت بھی عالم مین مشہور تھی لیکن اس بادشاہ کے دور مین اس کا یہ حال ہوگیا تھا کہ شہر غلہ سے خالی ہے حتّی کہ ادویات مین معمولی معمولی چیزین زیرہ، سونف تک ملنا مشکل ہے - تو عوام کو غذا کہان سے میسر ہوگی -

گروی کا مال کے جو کوئی قصد یان کرے
بنیا کہان دوکان پہ چیز کی گرو دھرے
اعیان ہے آج شہر کے لیجون سے بھی بھرے
جیوئے کوئی نصیب سے اپنے کوئی مرے
حاکم ہے نے حکیم شہی ہے نہ شاہ ہے

مفلسی اور مختلف پیشون کی حالت اتنی بری ہے کہ بنیا بھی کوئی سامان گروی رکھنے کا اہل نہ تھا -

مردون کے ہر طرف ہین پڑے سینکڑون الم
سسکے ہے کوئی راہ مین نکلے کسی کا دم

اک ہاتھ سر کے نیچے رکھے ایک پر شکم
مانند چوب پانو مین خشکی سے پیچ وخم

شہر مین مفلسی سے یہ حال ہوگیا ہے اور شہر کی ویرانی کا یہ حال ہے کہ

پھوٹے ڈھے خراب ہوئے اس قدر مکان
چوتی نہ ہو جو شفق وہ زیر فلک کہان
اجڑے پڑے ہین شہر مین یہ دیر مکان خوب
جن کی صفا سے جائین نہ موتی عرق مین ڈوب
اک ریزہ خس پہ جان جہان دین تھے خاکروب
بودون زمین مین حاضر سفید دوب
پوچھون اب جگہ بہ دستور را سیاہ ہے

شہر ویران مکان کی بری حالت ملک مین انتشار اور سیاسی بدامنی ان سب کو دیکھ کر جب لوگ اپنی اولاد کا سیرا دیکھنے کے متمنی تھے اس حال مین انھون نے اپنی خواہش کو جب پورا کرنا چاہا تو یہ خوشی کا مقام بھی ماتم سے کم نہ رہا ۔

گردون کی دیکھکر یہ کجی اور برائیان
اندیشہ کرکے بعضون نے شادی اٹھائیان
ڈھولک کے بدلے کوئی ہے سینے لگائیان
باہر چھٹی ہے مردون کے منھ پر ہوائیان
قاسم کا کربلا مین کیسے تو بیاہ ہے

نوشہ کہے یارون سے اپنے یہ بھوکے آہ
کس ضبط مین ہین بند خدا جانے قبلہ گاہ
احوال پر مرے بھی یہ کرتے ہین کچھ نگاہ
مرتا ہون مین تو جی سے یہ کس کا کرین بیاہ
فاقون سے یاد کمر مین نہ قوت نہ باہ ہے

شاہ عالم کے دور مین شادی کرنا بھی کچھ قیامت سے کم نہ تھا ۔ اس دور کو سیاسی سماجی حیثیت سے قائم نے کربلا سے تشبیہ دی ہے جو تاریخ کے حوالون سے صحیح ثابت ہوتا ہے ۔

حاکم جو اس ضلع کا، راجہ گلاب رائے
روزی ہزارہا کی تھی وان بلکہ کچھ سرائے
سو اب جو نوکری کو کوئی اسکے پاس جائے
کہتا ہے رکھ تو لون مین یہ بھتا کہان سے آئے
نہ ملک ہے نہ مال ہے دولت نہ جاہ ہے
آیا ہے کاغذون پہ جو کوئی دنون کا پھیر
سررشتہ دار دفتر مالی ہے ہین کھیر
ڈانین ہین پیٹھ مین یہ کاغذون کے ڈھیر
لیکن وہ کون ہے جو خریدے چھدام سیر

شہرون کے علاوہ اس وقت ضلعون مین بھی بیروزگاری کا یہ عالم تھا کہ گلاب رائے جیسا حاکم جو کسی کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتا تھا اس کے یہان نوکرون کو تنخواہ دینے کے لئے کچھ نہ تھا ۔ اور دفترون کے کاغذات جو اہم تھے وہ بھی ٹکے سیر فروخت نہ ہو سکتے تھے ۔

مغل حکمرانون کے زمانے مین ایک طبقہ ایسا بھی تھا جس کا مالی اعتبار سے پورا انحصار مغل حکمرانون پر تھا وہ علماء اور فضلا کا طبقہ تھا ۔ ان لوگون کو حکومت کی طرف سے "مدد معاش" کے نام سے زمینین ملتی ہین ۔ جن پر لگان اور دوسرے ٹیکس معاف ہوتے تھے ۔ اکبر کے زمانے مین صوبون کی مالگزاری کا ۴ سے ۵ فی صدی حصہ "مدد معاش" ہی کی نذر ہو جاتا تھا ۔ مدد معاش پانے والے عالم ہوتے تھے یا علماء کے خاندانون سے تعلق رکھتے تھے یا پھر قاضی مفتی محتسب یا مسجد کے امام ہوا کرتے تھے ۔ ایسے شرفا بھی جو بیکار ہون مدد معاش پاتے تھے کبھی کبھی طبیب اور شعراء

بھی مدد معاش والون کی صف مین شامل ہوتے تھے ۔"[1]

لیکن شاہ عالم کے دور مین جہان اور طبقے مفلسی کا شکار تھے وہان پر علماء اور فضلاء کے طبقے کا بھی برا حال تھا ۔ اور ان کی "مدد معاش" وغیرہ سب کچھ چھن گئی ۔

مفتی پھرین ہین بھوک سے کرتے سخن سخن
قاضی کہے لکھی تھی مری ہی قضا مگر
ہے چودھری کے گھر مین ہمیشہ سٹر پٹر
عاشق کے یہان بھی ہین تو کڑاکے کہے ہے پر
اللہ رشتہ جس طرح سے رکھے واہ واہ ہے

مفلسی اور بدحالی سے عوام کے اخلاق پر جو اثر پڑا اس کا حال یہ تھا ۔

اس سب پر اب ہے عاشق و معشوق تک بہ ڈھنگ
دیکھے جو نور شمع پہ تو جل مرے پتنگ
عالم سے اٹھ گیا غم و ناموس و پاس تنگ
جس سے سنو تو رشک سے بیٹی کے مان ہے تنگ

~~پٹھانون کے حملے اور پھر~~ نابطہ خان جو نجیب الدولہ کا بیٹا تھا یہ نجیب الدولہ کے انتقال کے بعد دربار شاہی مین منصب دار ہوگیا تھا ۔ لیکن کچھ الزامات لگا کر اسے نکال دیا گیا اور اس کی ساری املاک ضبط کرلی گئین ۔ اس نے شاہ عالم سے سرکشی کی کوشش کی تھی تو شاہ عالم نے مرہٹون کے سردار سندھیا کی مدد سے نابطہ خان کے خلاف جنگ کی اور اس کو "سکرتال" کے مقام پر شکست دے دی سنہ ۱۷۸۵ء مین اس کا انتقال ہوا ۔[2]

---

۱ ۔ ڈاکٹر عرفان حبیب سنہ ۱۸۰۰ صدی کا تاریخی پس منظر ۔ غیر مطبوعہ ۔
۲ ۔ ذکر میر صفحہ ۱۶۱

قائم نے اس بند مین ضابطہ خان اور مرہٹے اور روہیلون کی جنگ اور ملک مین ان کی دہشت کا حال قلم بند کیا ہے - زندگی کو ہر لمحہ ایک نئے حملہ کا خطرہ تھا -

مارے ہے جب سے ضابطہ خان کی ادھر سپاہ
آسو کے تکین ہین مرہٹے ادھر سے آہ
بستی کے لوٹنے روہیلون کی ہے نگاہ
ایک خلق ہے اسیر عجب مخمصے مین آہ
رہنے کا ہے مقام نہ جانے کو راہ ہے

شہر آشوب کے آخری بند مین قائم دہلی اور شاہ عالم کی سلطنت سے جو بدامنی کا گہوارہ بنی ہوئی تھی نکلنے کی خواہش کرتے ہین "نواب سے مراد ان کی نواب وزیر لکھنؤ ہوگی جہان پر دہلی کے مقابلے مین زیادہ امن و سکون تھا اور اس دور کے تمام اہل کمال شعراء وغیرہ دہلی کو خیرباد کہہ کر لکھنؤ کو آباد کر رہے تھے کیونکہ لکھنؤ ان آفات سے بچا ہوا تھا جو دہلی پر گزر رہی تھی - اسی خواہش پر قائم نے اپنا شہر آشوب ختم کیا ہے -

قائم ہے جس کسی کو بھی اس وقت مین شعور
اس سر زمین سے ایک دو جہان بھاگتا ہے دور
مرنا بغیر موت ہے نادان کیا ضرور
حاضر ہو کیون نہ چل کے تو نواب کے حضور
سائے مین جس کے ایک جہان کی رفاہ ہے

## لچھمی نرائن شفیق

شفیق اورنگ آبادی ـــ مولوی عبدالحق صاحب مرحوم نے "چمنستان شعراء" کے دیباچے مین لکھا ہے کہ شفیق نے "حسب حال زمانہ" کے عنوان سے ایک

شہر آشوب بھی لکھا ہے - شفیق کا شہر آشوب کہیں بھی نہ مل سکا - خود "چمنستان شعراء" میں اس کا جو ابتدائی حصہ نقل کیا گیا ہے اسی کو ڈاکٹر سید عبداللہ نے بھی نقل کیا ہے اور دوسروں نے بھی اسی ابتدائی حصہ کو نقل کردیا ہے -

شفیق کا شہر آشوب دکن کے متعلق ہے غالباً فارسی کو چھوڑ کر اردو میں پہلا شہر آشوب ہے جو دکن کی سیاسی سماجی اور تمدنی زندگی کی بدحالی اور پریشانی کو ظاہر کرتا ہے - شمالی ہند تو مختلف حملوں یعنی نادر، ابدالی، مرہٹوں، سکھوں اور افغانوں کے مسلسل حملوں کی وجہ سے کئی کئی بار تباہ ہوتا رہا - شفیق کے شہر آشوب سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شمال کا اثر جنوب اور خاص طور سے دکن پر بھی کافی ~~اثر انداز~~ ہوا - اور مرہٹوں کی وجہ سے وہاں کافی بدامنی پھیلی - عالمگیر کا دکن کو فتح کرنے والی پالیسی مغلیہ سلطنت کا زوال کا سبب بنی اور دکن کی آزاد سلطنتیں جو ~~اپنی~~ خوشحالی اور شعر و ادب کے مرکز کی حیثیت ~~رکھتی تھیں~~ وہ بھی تباہ و برباد ہوگیا - جس کا اشارہ بھی اس طرح ملتا ہے -

ایک دن دل نے کہا مجھسے کہ صاحب سن ادھر
کیوں ریاست دن بدن ایسی ذلیل اور ہے بتر
اس دکن کے بیچ چھ صوبوں کے تھے چھ بادشاہ
عادل اور فیاض صاحب عزم اور صاحب ہنر

اور دکن کی خوشحالی کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ رعایا، سپاہی اور امیر سب خوشحال تھے ~~ان کی دولت میں ترفہ اور سبھی خوشحال تھے~~ - کیا رعیت کیا سپاہی کیا امیر نادور پھر وہی قسمت کا رونا اور اصل مسئلہ سے ہٹ کر تقدیر کی شکایت شفیق کے یہاں ہے -

آسمان و وہی ہے، اور وہی زمین، خلقت وہی * پھر ہوئی کسی واسطے یہ زندگانی مختصر
شامت نیت ہے یا تدبیر میں ہے کچھ قصور * تب تو دشواری پڑی ہے ہر کسی کو اسقدر

جعفرعلی حسرت

ان کا ایک شہر آشوب جو "مخمس دراصول دہلی" ان کی کلیات میں شامل ہے - حسرت شور معاملہ بند لکھنوی شاعر جراءت کے استاد تھے - یہ دہلی کے رہنے والے تھے مگر ان کی عمر کا زیادہ حصہ فیض آباد اور لکھنو میں بسر ہوا -

حسرت کے شہر آشوب کا موضوع دہلی پر افغانوں کا حملہ اور شہر دہلی کی تباہی و بربادی ہے -

ملک میں ایک طرف مرہٹہ گردی بڑھ رہی تھی تو دوسری طرف سکھوں کی بغاوتیں ہو رہی تھیں ان سب کا بنیاد کسان بغاوتیں اور سماجی و سیاسی بدحالی کو دور کرنا نہیں تھا بلکہ لوٹ مار کرنا تھا -

اٹھارویں صدی میں افغانوں کا عروج ہوا احمد شاہ ابدالی نے سنہ ۷۲-۱۷۴۷ء میں نادر شاہ کی سلطنت کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کرلیا تھا - اور اپنے دارالخلافہ قندھار سے ہندوستان پر کئی حملے کئے - سنہ ۱۷۶۱ء میں اس نے ہندوستان کے روہیلوں (افغانوں) اور شجاع الدولہ کی مدد سے مرہٹوں کو پانی پت کے میدان میں شکست دی - گنگھم (سکھوں کی تاریخ) میں لکھتا ہے کہ "وہ فتوحات حاصل کرنے کی اہلیت رکھتا تھا لیکن حکومت قائم کرنے نہیں - ابدالی کی حکومت اصل میں قبائلی سرداروں پر مشتمل تھی - اس کے سردار اور سپاہی ہندوستان میں بھی لوٹ مار کی خاطر آئے تھے -"

سنہ ۵۷-۱۷۵۶ء میں احمد شاہ ابدالی نے دہلی کو نادر شاہ کے بعد پھر تباہ و تاراج کیا ؟ اس کا اندازہ ایک مورخ بلگرامی کی کتاب "خزانہ عامرہ" کے اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے - "احمد شاہ ابدالی نے شہر کے لوگوں کے مال وعزت کو تاراج کرنے میں اس نے کوئی کسر نہ چھوڑی - متھرا میں لوٹا اور وہاں قتل عام کیا -

حسرت نے اپنے شہر آشوب کے ابتدائی حصہ میں افغانوں کی لوٹ مار اور قتل عام کا ذکر کیا ہے ؎

نہیں ہے ریشے سے کم جہان آباد کا حال
اگر لکھوں تو قلم نالہ زن ہوئے کی مثال
وگر پڑھوں تو کہا غم سے ہے سخن کی مجال
اگرچہ چرخ ستمگر یہ اس پہ لایا زوال
پر آپ رو دئے ہم رکھ منھ پہ اپنے رومال

اب وہ افغانوں کی تباہی کی طرف آتے ہیں اور اس قتل عام کی کہانی سناتے ہیں -

کیا غنیم کے لشکر نے یوں اسے ویران
کہ جیسے باد خزاں سے ہو حالت تیسا ن
نہ سیل حادثہ لاوے کسی پہ یوں طوفان
گزر گیا جو ستم افغانوں کے ظلم سے جو وہاں
فغاں کہ ہوگیا یہ کشت سبز سب پامال

اس قتل عام اور لوٹ مار سے شہر ویران ہوگیا اور وہاں کے رہنے والے خاک و خون میں پنہاں ہوگئے -

وہ باغ جس میں کہ گل رو تھے سب حسین گل سے
اور ان کی زلفیں فزوں تر تھیں جعد سنبل سے
چمن کے رشک تھے رخسار و خط و کاکل سے
دراز اس پہ ہو دست ستم تطاول سے
دریغ ہے مٹ گیا نقشہ رہا نہ وہ خط و خال

حسرت دہلی کی تعریف اس طرح کرتے ہیں اور اسے رشک جنت کا مرتبہ عطا کرتے ہیں -

سواد اس کی سر تھی زلف مہوشان زنجیر
بہار اس کی سر تھی غرقاب شرم سر کشمیر
ہر ایک اس کی مکان مین بہشت کی تصویر
جدھر نظر کرو سوجھے تھا عالم تصویر
نہ سر کی وان سے جدھر جا پڑے نگاہ خیال

اس کی بعد حسرت بادشاہ امیر وزیر خزانہ سپاہی اور مختلف پیشہ وروں کی حالت زار کا نقشہ پیش کرتے ہین کیونکہ بادشاہ بادشاہ نہ رہا تھا بلکہ کٹ پتلی بن گیا تھا۔ جس کا دل چاہتا وہ دہلی کو لوٹ لیتا جاگیردارانہ نظام درہم برہم ہوگیا تھا اور جو مغل فوج جاگیردارون کی تخت تھی ان کی تنخواہون کا کوسون پتہ نہ تھا ظاہر ہے کہ ایسی طوائف الملکی کی دور مین آداب شاہی اور زندگی کا مزہ باقی نہین رہتا۔ وہ بادشاہ جس کو ہندوستان خراج عقیدت پیش کرتا تھا وہ اب افغانی قبیلون کا دست نگر بن گیا اور جس کو سارا ہندوستان خراج دیتا تھا یہ روہیلے اب اس سے خراج لے رہے تھے۔

جو بادشاہ وہان کا رکھے تھے تخت و تاج
وہ اپنے قوت کو اطفال کی ہوا محتاج
خدائی ہے جسے دیتا تھا سارا ہند خراج
غنیم آن کے لے اس سے اس کی شہر سے باج
وہ شکل ہے کہ کرے شہر کو شکار شغال

ملک کی خزانے کی حالت ابتر ہوگئی تھی کہ وہان زر و جواہر سونا و چاندی کی بجائے صرف پتھر رہ گئے تھے۔

جواہر اور خزانہ تو سب لٹا کیسر
رہین سو پہ یہ فرق کہ لوگ اور چاکر

رہا نہ مال بجز سنگ کوٹھون کے اندر
جو چھت تھی چاندی کی دیوان خاص کے اندر
سو وہ وزیر نے کی خرچ بھیج کر ٹکسال

اہل علم اور شرفا کی بدحالی

نجیب تو ہوئے فاقون سے اب سبھی رنجور
رہی نہ منہ پہ ہے رونق نہ اسکی چشم مین نور
جو اہل صرفہ ہین انکا تو کیجئے کیا مذکور
جنھون کا کسب تھا ملائی ان کا یہ دستور
کہ جاکر چوک مین بکتے ہین اک دمڑی پہ قال

اطباء جو اپنے زمانے کے نامور اور ارسطو کی طرح حاذق تھے ان کا بھی یہ حال ہوگیا کہ

وہ جو کہ فن طبابت مین تھے ارسطوا
انھون نے دیکھا غذا ہووے تب دوا کوئی کھائے
مزہ ہے جوع بقر کا سو کس طرح سے جائے
وہ چھوڑ طیب کو کہین جو پڑے خدا دکھلائے
سلائی سرمہ سے بازار مین بنے کحال

عہد محمد شاہی مین مرشدون اور پیری مریدی کا عروج تھا اور یہ ایک بہترین ذریعہ معاش تھا خود محمد شاہ کئی مرشدون کا معتقد تھا لیکن اس لوٹ مین اس کا بھی برا حال تھا۔

جنھون کا پیری مریدی تھا سلسلہ جاری
انھون کو ملنے لگی گوکہ نان بہ دشواری
مرید فاقون سے مرتے ہین خود یہ ناچاری
سنی جہان کہین مجلس ہے وان کئی تیاری
دو روٹی قلیہ پہ جاکر لگے وہ کرنے حال

مصوری اور خطاط کی حالت بھی پیرون مریدون سے کسی طرح کم نہ تھی کیونکہ ان کے قدردان خود نان و نوش کے محتاج ہوگئے تھے تو پھر ان کی قدردانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ؎

مصوران ہیں جو تھے کھچتے ہیں حیرانی
نگہ کو دیکھنے دیں تصویر گرچہ ہو مانی
جو خط کہ لکھنے میں مہر علی کے ہو ثانی
قلم کو ان کے ہے دن رات خون افشانی
لکھیں ہیں دمڑی کو خط پشت لب کی مثال

آخیر بند میں شاعر اس تباہی و بربادی کو اپنے اعمال کا نتیجہ بتاتا ہے - شاعر نے تمام طبقات کی مصوری کی ہے اور ان کی زبون حالی کی طرف اشارہ بھی کیا ہے لیکن شاعر کی نگاہ اصل خرابی کی طرف نہ جاسکی اور وہ صرف اپنے گناہوں کی طرف اشارہ کرکے رہ جاتا ہے اور اس تباہی کا ذمہ دار وہ اپنے اعمال کو قرار دے کر مطمئن ہو جاتا ہے -

جہان آباد نہ ہوتا کسی طرح سے تباہ
جو حسرت ایسے عمل کرتے ہم نہ نامہ سیاہ
پرائے مال پہ ناموس پر رکھیں جو نگاہ
تو ان پہ کیوں نہ بھیجے بلا غضب اللہ
ہمارے آگے ہی آئے ہمارے یہ اعمال

میر و سودا کے شہر آشوب

میر اور سودا کا دور ایک ہی ہے اور دونوں اپنے اپنے عہد کے مشہور شاعر اور استاد فن گزرے ہیں - مختلف تذکرہ نگاروں نے ایک کو دوسرے پر فوقیت نہیں دی ہے بلکہ سودا کو قصیدہ کا بادشاہ کہا ہے تو میر کو غزل

کا شہنشاہ تسلیم کیا ہے - اس حیثیت سے دونوں اپنے اپنے فن کے امام ہیں ---- ان دونوں نے ہر صنف سخن پر طبع آزمائی کی ہے - لیکن ان دونوں کا مزاج ایک دوسرے سے اتنا مختلف ہے کہ ایک آہ ہے تو دوسرا واہ ہے - میر کا جوہر اصلی ان کی غزلوں میں نمایاں ہے اور سودا جہاں "بیان" پر اتر آتے ہیں وہاں اپنی سپاہیانہ شان سے میدان مار لیتے ہیں - یہ دونوں شاعر اپنے عہد کے اقتصادی اور سیاسی حالات کا شکار ہوئے اور ان پر وہ عالم بھی طاری رہا کہ ہر طرف دنیا تاریک نظر آنے لگی - جس تہذیب و تمدن میں انھوں نے پرورش پائی تھی وہ تہذیب ان کی آنکھوں کے سامنے تباہ و برباد ہونے لگی - جس دہلی کو وہ جنت نشان سمجھتے تھے اس دہلی کو نادر شاہ، ابدالی، افغان، مرہٹہ اور سکھ اپنے پیروں تلے روندنے لگے - جن بادشاہوں نے سارے ہندوستان کو ایک وحدت میں باندھ دیا تھا اس وحدت کا شیرازہ عالمگیر کی وفات کے بعد سے منتشر ہونے لگا تھا - جس فوجی نظام کی داغ بیل مستحکم بنیادوں پر رکھی گئی تھی وہ نظام ٹوٹنے لگا جس جاگیردارانہ نظام کی بنیاد پر مغل شہنشاہیت کی عمارت کھڑی تھی وہ نظام ٹوٹتے ٹوٹتے ایک دن اس کے زوال کا باعث بنا - وہ شعراء جو کبھی دربار کی زینت تھے اور جن کے سروں پر ملک الشعراء کا تاج رکھا جاتا تھا وہ اپنے گلوں میں کانٹوں کے ہار ڈالے دربدر کی ٹھوکریں کھانے لگے - وہ امراء جن کے گھروں پر کبھی ہاتھی جھولا کرتے تھے اب وہاں خاک اڑنے لگی تھی - ان دونوں شعراء نے خصوصیت کے ساتھ "گھوڑے" کا ذکر کیا جو مغل حکومت کے فوجی نظام کا بنیادی حصہ تھا - ایسے پرآشوب عالم میں شاہ عالم تخت پر بیٹھا - اور اس کے دور میں میر اور سودا اپنے شباب پر تھے - کہتے ہیں کہ "تہذیبوں کے زوال سے ادب میں زندگی اور عروج پیدا ہوتا ہے" یہ دور ایک طرف تو مغل سلطنت کے زوال کا دور ہے تو دوسری طرف میر و سودا کا عہد زریں کہا جاتا ہے -

ان دونوں شعرا نے اپنے دور سے اپنے نجی حالات سے متاثر ہوکر اپنی شاعری میں روح اثر کو پیدا کردیا ہے - ان شہر آشوبوں میں ہمیں اس دور کی

تاریخی سیاسی سماجی فوجی اور تہذیبی زبون حالی انتشار ابتری صاف نمایاں ہیں - ان کی الگ الگ مطالعہ سے ان کی خصوصیات سامنے آئیں گی -

میر تقی میر

میر ایک ایسا شاعر ہیں جس نے اپنی خود نوشت سوانح عمری "ذکرمیر" لکھی - یہ اس حیثیت سے بہت اہم ہے کہ اس سے میر کے متعلق آزاد اور دوسروں کے لئے کمزور اور غلط ثابت ہوتے ہیں - تو دوسری طرف میر کے حالات زندگی اور اس عہد کے تاریخی واقعات جس سے میر جیسے گوشہ نشین کو جھیلنا پڑے - وہ بھی سامنے آتے ہیں - میرکی خود نوشت سوانح عمری "ذکر میر" سے جہاں تاریخی حالات و واقعات پر روشنی پڑتی ہے وہاں پر وہ سب سارے واقعات کے عینی شاہد ہیں - اس حیثیت سے ان کا تاریخی شعور قابل تعریف ہے - ان تمام واقعات سے ان کے شہر آشوبوں کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے اور ان شہر آشوبوں کے ہم تاریخی پس منظر میں ہم بہ آسانی اس عہد کو دیکھ سکتے ہیں - میرکا ایک شہر آشوب مخمس ـــ دوسرا در ہجو لشکر - تیسرا - در شہر کا مال حسب مال بود ـــ چوتھا درحال لشکر" ہے میر نے اپنے شہر آشوبوں میں اپنی دلی کیفیات زمانے کی تباہی - نادرشاہ اور ابدالی کے حملوں کی وجہ سے قتل وغارت گری نظام سلطنت کا شیرازہ بکھرتا ہوا خود دیکھا تھا اور وہ خود ان حالات کے گواہ ہیں جن واقعات کو انھوں نے نظم کیا ہے -

میر اپنے مخمس شہر آشوب میں ایک شخص "بلاس رائے" کا ذکر کرکے اس دور کے امراء اور ہاشی و سیاسی نظام پر طنز کرتے ہیں اور ملک کی ابتری کا جو نقشہ کھینچا ہے حسب حال ہے -

سنو یارو بلاس رائے کا حال * ایک لچا ہے وہ عجائب مال
کام لینا ہے اس سے امر محال * سو ابھی جا اڑیں تو دیوئے ٹال
پیرکو اپنے دے نہ ۰۰۰۰ کا بال

اب اس شخص کے متعلق کہتے ہین کہ یہ بلاس رائے ایک امیر کے یہان منشی تھے اور اس امیرکی فوج اور انتظام علاقہ اس "لیچر" اور بدمعاش کے ہاتھ مین ہے ظاہر ہے جب علاقہ کا انتظام ایک ایسے شخص کے ہاتھ مین ہوگا جو خود بدذات اور لچا ہے تو عوام کی کیا حالت ہوگی -

ایک عمدہ کہ یان ہے اہل کار * فوج کے لوگون کا سب اس پہ مدار
کبھی ہر اک کو دیتے سو سو بار * پھر نہ دے جز فریب تا دہ سال
یا مہینون تلک رہے روپوش * یا ملے ہے تو بے حواس و ہوش
لوگ کرتے ہین ... جوش و خروش * یہ کچہری مین بیٹھا ہے خاموش
رنگ روپے حیا ہے گویا لال

جب سے یہ ہے محرر دفتر * سب سے ہنگامہ ہی رہا اکثر
ہووئے پرچہا جو دے کسو کو زر * سو یہ پٹی پڑھا نہین ہے لیچر
سب سے اسکو ہے ایک جنگ و جدال

اور اس کی بد انتظامی اور بد اخلاقی کی وجہ سے دفترون کا حال یہ ہوگیا تھا -

لات مکئی ہے کہ رہیلون سے * دھول چھکڑ ہے گاہ چیلون سے
کم نہین ہے کچہری سیلون سے * آتے جاتے ہین لوگ ایلون سے
نکلے ہے تیغ کھڑکے ہے وان ڈھال

اس شخص سے عوام کی نفرت کا اندازہ ہوتا ہے -

دیکھو منہ تو خدا ہی خبر کرے * پاد ہو شہر جو کہین یہ مرے
کب تلک ایسے نجس سے کوئی بھرے * کہنی تکیے پہ اسکو دیکھے دھرے
لوہے پتھر کی اسکی چھاتی ہے * اک قیامت جلو مین آتی ہے
نکلے ہے گھر سے جب کہ یہ دجال

شرفا جب اس کے پاس جاتے ہین تو وہ ان کو ذلیل کرتا ہے اور اس امیر کے ملازمین کا یہ حال ہے کہ

مردہ شو خصم جان اہل ہنر * جس کسو دن رہے ہین اہل ہنر
پڑتے ہین میرزابی پر پتھر * یون پھرے ہے کمر مین رکھ کے تیر
جون کفن چور کوئی رکھے کدال

"بلاس رائے" سے میر کو بھی سابقہ پڑا ہے لیکن ان کی سوانح عمری مین "بلاس رائے" کا ضرور ذکر ملتا لیکن کہین بھی اس کا نام نہین ہے - معلوم ایسا ہوتا ہے کہ میر نے ایک فرضی نام رکھ کر اس دور کے امیرونکی بدحالی کا نقشہ پیش کیا ہے - جہان جہان اور جس امیر سے بھی میر منسلک رہے ہین چنانچہ وہ خود کہتے ہین -

قصہ کوتاہ بعد چندین ماہ * میری اس بھڑوے پر ہوئی تنخواہ
جانے آدم لگا کہ ویسے گاہ * یہ تو مغرور ہے تہ و گم راہ
سہیل سا مجھکو بھی سمجھکے فقیر * رکھنے وعدون ہی مین لگا ہے پیر
یہ نہ جانا نہین ہے اسکی نظیر * اس کو جانے ہے بادشاہ و وزیر
دور تک پہونچے گی یہ قیل و قال

اور پھر اپنی حیثیت بتاتے کے بعد میر اس سے مخاطب ہوکر کہتے ہین کہ میری تنخواہ کا دبا لینا بہت مشکل ہے کیونکہ نواب جس کا یہ اہل کار دفتری ہے وہ خود مجھے جانتا ہے اور غالباً جس نواب علی محمد خان کا میر نے ذکر کیا ہے وہ بھی فرضی نام ہے -

آپ تو اب سن کے اس کا نام * کہے گا دو یہ پیسے جلد تمام
یان نہ زنہار کیجو صبح و شام * ہو نہ ایسا کہ پاوے طول کلام

بلاس رائے اہل کار دفتر سے ترقی کرکے اس امیر کا وکیل ہوگیا - اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ امیرون کی کیا حالت تھی صرف بادشاہ ہی بے دست و پا نہین تھے بلکہ امیرون کا بھی یہی حال تھا -

اب ترقی ہوئی وکیل ہوا * ایک عمدہ کہ کام دخیل ہوا
فوج کہ لوگون کا تفیل ہوا * مجھے اڑکر عبث ذلیل ہوا

جب فوج کہ سپاہیون کا تقاضا بڑھ جاتا اور وہ "بلاس رائے" کو ستانے لگتے تو وہ بھی انھین ہر طرح سے بہلانے کی تدبیرین کرتا - کیونکہ نواب کہ علاقے کی آمدنی ملک کی افراتفری کی وجہ سے درہم برہم ہوگئی تھی -

یون تو سو بار آؤ جاؤ کہ * پیسے تدریج سے ہی پاؤ کہ
اور اس پر بھی جو ستاؤ کہ * اپنے پیسون سے ہاتھ اٹھاؤ کہ
بوجھ مین اپنے سر سے دونگا ٹال

یان کھڑا دو دو دن رہے ہے دواب * مطبخی خاص کو ملے ہے جواب
منہ لگا دیر کرتے ہین نواب * کس کا اللہ میان کہان کا ثواب

پھر ان تمام باتون کہ بعد میر کی طبیعت بھی اس اصل خرابی کی طرف جاتی ہے - اور بلاس رائے کی طرف سے یہ صفائی پیش کی جاتی ہے کہ وہ بھی مجبور ہے اور نواب قلاش ہے تو تنخواہ کہان سے ملے کی اس مین "وکیل" کا کیا قصور ہے وہ تو بیچارہ ہر طرح کوشش کرتا ہے -

کام جون تون سے مین چلاتا ہون * سو بھی سو سو دکان پہ جاتا ہون
قرض کچھ بن گیا تو لاتا ہون * جیسا مین نہ کیا ہے پاتا ہون
یہ متصدی گری ہے یا جنجال

اس کسمپرسی کہ عالم مین بھی نواب کہ ٹھاٹھ کا وہی عالم ہے جو پہلے تھا -

باز آتا نہین ہے نفسی شوم * ورنہ کس سے اٹھے ہے ایسی دھوم
ہر سحر روز والون کا ہے ہجوم * ہے تمہین حال یان کا کیا معلوم
تم کو سونٹا لیے کرو ہو سوال

آخر میں میر کہتے ہیں کہ ان تمام باتوں سے کچھ حاصل نہیں اگر قسمت میں ہوگا تو تنخواہ مل جائیگی اس لئے "بلا سی رائے" کی ہجو سے قلم کو روک لینا چاہئے کیونکہ اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا - اس پر اس مخمس کا خاتمہ ہوتا ہے -

بد زبانی نہیں ہے اتنی خوب * بات اچھی نہیں ہے یہ اسلوب
گفتگو اس طرح کی ہے معیوب * مل رہے گا جو کچھ کہ ہے مطلوب
بس قلم اب زبان اپنی سنبھال

میر نے اپنے مخمس میں ایک فرد کی ہجو لکھ کر اس معاشرے کو ہمارے سامنے رکھ دیا ہے جس معاشرے میں میر سانس لے رہے تھے -

میر کو تلاش روزگار میں اکبرآباد سے کئی مرتبہ دہلی آنا پڑا - اور میر رعایت خان جو عظیم اللہ خان کا لڑکا اور اعتماد الدولہ قمرالدین خان کا بھانجا تھا پہلے پہل اس کی ملازمت کی [1] اسی دوران میں احمد شاہ ابدالی نے سنہ ۱۷۴۸ء میں لاہور پر حملہ کردیا - قمرالدین خان اعتماد الدولہ صفدرجنگ اور راجہ جے سنگھ شہزادہ احمد شاہ پسر محمد شاہ رنگیلا اس سے لڑنے نکلے اس جنگ میں قمرالدین مارے گئے - اور رعایت خان معین الملک کے گورنر ہونے سے عنو معطل بن کر رہ گئے - محمد شاہ کے انتقال کے بعد احمد شاہ تخت پر بیٹھا - احمد شاہ نے محمد شاہ کے خواجہ سرا جاوید خان کو نواب بہادر کا خطاب دیا اور اختیارات سلطنت اس کے سپرد کئے [2] میر نے رعایت خان کے بعد نواب بہادر کی ملازمت کی [3] اسی دوران میر اسحاق خان

---

۱- ذکر میر صفحہ ۹۸
۲- ذکر میر صفحہ ۱۰۱
۳- ذکر میر صفحہ ۱۰۳

نجم الدولہ کے ساتھ روہیلوں کے سردار احمد خان کی املاک ضبط کرنے کے لئے ساتھ گئے تھے چونکہ اسمین اسحاق خان نجم الدولہ مارے گئے - اس ہار ہوئے لشکر کے ساتھ بڑی تکلیفیں اٹھا کر میر پھر دہلی آگئے[1] - نواب بہادر جاوید خان کے قتل کے بعد مختلف مراحل سے گزرے - مختلف امراء کے ساتھ جنگ کی سختیوں کو برداشت کیا - لوگوں کو خون سے نہاتا ہوا دیکھا - اس دور کے امراء کی حالت کا اندازہ اس بات لگایا جاسکتا ہے جو "ذکر میر" مین راجہ جگل کشور اور راجہ ناگرمل جیسے امیروں کے در سے بھی میر کو خالی ہاتھ لوٹ آنا پڑا - میر نے ذکر میر مین لکھا ہے کہ "ایک دن مینے راجہ جگل کشور سے روزگار کی شکایت کی وہ عزیز شرم سے پیلا پڑگیا کہنے لگا مین خود مفلس ہون اگر کچھ بھی ہوتا تو تامل نہ کرتا" راجہ ناگرمل کے یہان گیا وہ بہت لطف و عنایت سے پیش /// آیا - کہنے لگا "دعوت شیراز حاضر ہے" لیکن اس کے یہان سے بھی کچھ آیا نہ آیا[2]

جب میر ایسے باکمال کا یہ حال ہو کہ قدردانوں مین بڑے بڑے امراء اور راجہ تھے وہ بھی میر کی مدد کرنے سے قاصر تھے - اور خود کو مفلس سمجھتے تھے - تو پھر سپاہیون اور عوام کی کیا حالت ہوگی اور ملک کے انتظام اور فوج کی ابتری کا کیا حال ہوگا - جبکہ لوگ ہر پیشہ کو چھوڑ کر یا پھر زیادہ تر وہ لوگ جو کوئی ہنر نہین جانتے فوج مین بھرتی ہوجایا کرتے تھے ان کی پریشانی اور عوام کی تباہی و مفلسی کا اندازہ میر کے ایک اور "شہر آشوب" در ہجو لشکر" مین نظر آتا ہے - اہل آدمی فوج مین روزگار کی تلاش مین بھرتی ہوتا تھا لیکن اس وہی رحمت زحمت ثابت ہوئی اس لئے میر کہتے ہین کہ جس کسی پر خدا کا قہر نازل ہو وہ شامت کا مارا کہین اور نہ

---

۱- ذکر میر صفحہ ۱۰۴-۴۰۵

۲- ذکر میر صفحہ ۱۰۶ .

بلکه فوج مین بهرتی هونے کے لئے چلا جائیگا - جب که وه تنخواه سے خوشحال زندگی بسر کرنے کا خواهشمند بهی هوگا -

جس کسوکو خدا کرے گم راه * آئے لشکر مین رکهے امید وفا
یان نه کوئی وزیر هے نه شاه * جسکو دیکهو سو هے به حال تباه
طرفه مردم هوئے اکثر آه

اور عوام تلاش روزگار هو یا قرض مانگنے کیلئے جس کسی کے یهان جائین اس کا یه حال هے که

جائے جس کے یان وه روتا هے * یا کهے خوب دار سوتا هے
جو مقدر هے سو تو سوتا هے * سو لون وقت عزیز کهوتا هے
مین نه تدولون نه اسیون پر والله

فوجیون کی حالت مفلسی اور افلاس سے سب گهبرائے هوئے اور اپنا ساز و سامان تک بیچ دیا -

فوج مین جسکو دیکهو سو هے اداسی * بهوکے سے عقل گم نهین هے حواسی
بیچ کهایا هے سب نے ساز و لباس * چهیڑون بن نهین کسو کے پاس
یعنی حاضر براتی هین گے سپاه

خاک اڑاتی هے صبح سے تا شام * شام سے صبح تک هے فکر عصملم
رحم کی جا هے حال تنگ انلم * ایک دو هون تو لوکسو کا نام
سینکڑون کے نهین جگر مین آه

لوگون کا حال یه هو گیا تها که فاقه کشی سے تنگ آکر موت کے خواهشمند هوگئے تهے -

مفلسی کهینچ رها هے کسی مین حال * خورش و خواب هین گم خواب و خیال
جاردن عمر کے سوئے هین دیال * زندگی اپنے دور پر هے محال
مرگ ملتی نهین هے خاطر خواه

ادھر تو فاقہ کشی اور پھر کسی رئیس کی دربار تک رسائی بھی اس پریشانی کی عالم میں دوبھر ہے ہمیں اس کا اندازہ "ذکر میر" کی ایک واقعہ سے ہوتا ہے ـــ راجہ ناگرمل جب میر کو "دعوت شیراز" دیتے ہیں تو میر اثر اس کی یہاں جاتے ہیں ـ وہ ان کا قدردان ہے لیکن جب فقر و فاقہ شدت اختیار کرلیتا ہے تو ایک دن نماز فجر کے بعد میر اس کے پاس پہنچتے ہیں ـ دربان نے کہا یہ دربار کا کونسا وقت ہے میر نے کہا کہ انتظار کا عالم ہے دربان بولا کہ تم لوگ تو درویش ہو ـ تم شاید یہ نہیں جانتے کہ بغیر خدا کے حکم سے پتہ بھی نہیں حرکت کرتا ـ میاں اپنی ریاست کی آگے تمہاری کیسے فکر ہے ـ یہاں تو ہماری رسائی ناممکن ہے ان کے بڑے لڑکے سے ملو ـ

دوسری طرف مرہٹوں کا روز بہ روز بڑھتے ہوئے حملے اور ان کی وجہ سے ملک کا نظام درہم برہم ہورہا تھا ـ

بار کرنے تلاش جس کے گھر * پہنچنا اس تلک بہت دوبھر
راہ مطلق نہیں نکلتی ادھر * باعث صد فساد شور و شر
دس تلنگے ہیں در پہ بے گہ و گاہ

دیکھے ہیں نے مصاحبان شہ * نکلے سب بے حقیقت و بے تہہ
ہے طرفی آخر کو ان سے کچھ مت کہہ * رہ سکے ہے کسی طرح سے تو رہ
ورنہ لشکر سے جا خدا ہم راہ

فقر و فاقہ کی ہر طرف ہے دھوم * دو تلنگے جہاں ہے واں ہے ہجوم
لشکر اک ہے خرابہ مردم بوم * زندگی کرنے کی طرح معلوم
کہ رہے جوں خدا ہی ہے آگاہ

آخر میں میر کہتے ہیں کہ ملک کی یہ حالت ہے کہ آبرو لٹ گئی جو جو ظلم یہاں دیکھے ہیں وہ کم ہیں ہر مصیبت کو جھیل چکے ہیں ـ اس پر بھی اگر کوئی فوج میں بھرتی ہوکر اپنی بہبود چاہتا ہو تو اس گمراہ کو کون روک سکتا

ہے اور یہ ایک خیال خام ہے -

قصہ کوتہ کہاں نہ رو گزرا * کون سی مثل مین نہ ہو گزرا
دیر و آزو رفتہ رفتہ کہو گزرا * یان گزرنا تہا ظلم جو گزرا
اس پہ جس کو ہو قصد بسم اللہ

اس کے علاوہ میر نے ایک اور شہر آشوب مخمس کے نام سے بہ عنوان "در شہر کا حال حسب حال خود" لکھا ہے ـــ اس شہر آشوب کا موضوع بارہ راست میر کی زندگی سے متعلق ہے - کیونکہ میر کا "شہر کا حال" کو جانا ان کی خود نوشت سوانح عمری/ثابت ہوتا ہے اور وہ تمام حالات ملتے جو میر پر گزرے اور "شہر کا حال" کل حالت کا اور صرف اس ایک شہر سے جو دہلی سے کچھ فاصلہ پر راجستھان جے پور مین واقع ہے یہ شہر تباہی اور مختلف لڑائیون کا شکار رہا- یہ شہر آشوب دراصل دہلی پر نادری حملے کی تباہی و بربادی کے بعد لکھا گیا ہے کیونکہ نادرشاہ کے قتل عام کے وقت میر دہلی مین موجود تھے اور انھون نے اپنی آنکھون سے انسانیت کا خون ہوتے دیکھا تھا - یہان وہ بڑی دلدوزی اور رقت انگیزی سے بیان کرتے ہین -

"شام کو راجہ سورج مل کے قلعون مین جانے کے لئے نکلا- بندہ یعنی میر اپنی عزت تمام شہر مین بیٹھا رہا - شام کے بعد منادی ہوئی کہ "بادشاہ نے امان دی ہے رعایا کو چاہئے کہ پریشان نہ ہو" مگر جب گھڑی بھر رات گزری تو غارت گرون نے ظلم وستم ڈھانا شروع کیا شہر کو آگ لگادی اور گھرون کو جلادیا سارا سازوسامان لے گئے صبح کو جو گویا صبح قیامت تھی تمام درانی فوج اور رہیلے ٹوٹ پڑے اور قتل وغارت مین لگ گئے شہر کے دروازون کو توڑ ڈالا اور لوگون کو قید کرلیا بہتون کو جلا دیا اور سر کاٹ لئے ایک عالم پر یہ مظالم توڑے اور تین دن رات تک اس ظلم سے ہاتھ نہ کھینچا - کھانے اور پینے کی چیزون مین سے کچھ نہ چھوڑا - چھتین توڑ دین اور دیوارین ڈھادین - سینے زخمی اور کلیجے چھلنی کردئے وہ فتنہ گر ہر طرف چھائے ہوئے تھے اور

شرفا کی مٹی پلید دورہی تھی -" ۱

ان حالات مین پھر مرہٹون نے حملہ کیا ابدالی نے شاہ جہان ثانی کو مفرور کرکے عالیگوہر کے لڑکے جوان بخت کو ولیعہد مقرر کردیا - میر اس وقت راجہ سورج مل سے منسلک تھے اور دہلی کی تباہی سے دل برداشتہ ہوکر وہ راجہ کی خدمت مین حاضر ہوئے - وہ خود لکھتے ہین کہ " مین ان دنون راجہ کی خدمت مین حاضر ہوا اور کہا کہ زمانے کے ہاتھون سخت پریشان ہون چاہتا ہون کہ شہر سے نکل جاؤن اور جہان سینگ سمائین چلا جاؤن ممکن ہے اس طرح کچھ آسودگی نصیب ہوجائے - انھون نے میرے ساتھ رعایت کی اور مجھے رخصت کردیا - مین بال بچون کو لیکر پیادہ پا نکلا کوئی منزل تو تھی نہین خدا پر بھروسہ کرکے راستہ طے کرنا شروع کیا دن بھر مین بڑی مشکل سے ۸ ۹ کوس کی منزل ہوسکی اور رات ایک سرائے مین درخت کے نیچے گزاری - اگلی صبح راجہ جگل کشور کی بیوی ادھر سے گزری اور ہم مجبورون کی دستگیری کی پھر سورج مل کے قلعون سے آٹھ کوس ادھر ایک قصبہ ہے لے آئین اور طرح طرح سے دلجوئی اور رعایت کیا ـــــ فقیر (میر) اپنے اہل وعیال کے ساتھ عشرہ (محرم) مین "کامال" مین مقیم رہا اور عاشورے سے اگلے دن وہان سے نکل کر ملھیڑ پہنچا -" ۲

دوسری مرتبہ میر نے اپنے "شہر کا حال" جانے کا ذکر اپنی "آپ بیتی" مین کیا ہے - جب جاٹون کی شورش اور فتنہ انگیزی حد سے بڑھنے لگی اور زندگی ان کے ہاتھون اجیرن ہونے لگی تو راجہ ناگرمل نے ۲۰ ہزار دہلی والون کے گھرون کو لے کر جو اسی کی وجہ سے اور ان مین سے اکثر اس کے دامن دولت سے

---

۱- ذکر میر صفحات ۱۲۱ ۱۲۲ -

۲- ذکر میر صفحات ۱۲۸ ۱۲۹ -

وابستہ تھے نکل جانے کا فیصلہ کیا - تین دن میں اس بھاری قافلے کے ساتھ شہر کا حال میں داخل ہوا "ہم مصیبت کے مارے بھی اس کی نوکری کے تعلق سے اسی قافلے کے ساتھ اقامت گزین ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آب و دانہ کے دن یہیں رکھتا ہے یا اور کہیں لے جاتا ہے -[1]

ان تاریخی حالات کی روشنی میں اگر ہم میر کا یہ شہر آشوب دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان پر کیا بیتی اور ان کے قدردان راجہ ناگرمل پر کیا بیتی اور ملک پر کیا گزر رہی تھی - میر کے ذہن میں نادری حملے کی تباہ کاریاں اور کشت و خون سب تازہ ہے -

قابل ہے میری سیر کے اطوار روزگار * ہے الیس عجب طرح کی چلے ہیں عجب شکار
کرتا ہے بد سلوکی سبھوں سے یہ بے مدار * لاتا ہے روز فتنۂ تازہ بروئے کار
دل داغ داغ رہتے ہیں اس سے جگر فگار

اپنے کسمپرسی اور دہلی سے بے سروسامانی کی حالت میں نکلنا ان کا ذکر کس درد انگیزی سے کرتے ہیں -

کاہاں سے تلخ کلم اٹھایا مرے تئیں * دلی میں بے دلانا پھرایا مرے تئیں
ہم چشموں کی نظر سے گرایا مرے تئیں * حاصل کہ پیسی سرمہ بنایا مرے تئیں
میں مشت خاک نہیں اس اسقدر غبار

میر کا تمام غصہ آسمان والے سے ہے -

لشکر میں محمد کے شہر سے لایا پیٹ تلاش
یاں آکے کزری میری عجب طور سے معاش
پانی کسو سے مانگے پیا میں کسو سے آش
اس واقعہ سے آگے اجل پہونچی ہوتی کاش
ناموس رہتی فقر کی جاتا نہ اعتبار

---

۱- ذکر میر صفحات ۱۵۹ - ۱۶۰

میر اپنی بدحالی پر موت کو ترجیح دیتے ہیں -

جانا نہ تھا جہاں مجھے سو یاروان گیا
ضعف قوی سے دست یہ دیوار وان گیا
محتاج ہوکر نان کا طلبگار وان گیا
چارہ نہ دیکھا منظور ناچار وان گیا
اس جان ناتوان پہ کیا صبر اختیار

در پر ہر اک دنی کے سماجت میری گئی
نالایقوں سے ملنے لیاقت میری گئی
کیا مفت ہائے شان شرافت میری گئی
ایسا پھرایا اس نے کہ طاقت میری گئی
مشہور شہر اب ہوں سبک سار و بے وقار

پھر میر اپنے شہر کا حال آنے کا سبب ذیل کے بند میں بتاتے ہیں میں اسلئے یہاں آیا کہ میرے لئے روزگار کے تمام دروازے بند ہوگئے تھے لیکن یہاں آکر بھی مجھے صرف ذلت ملی -

عرصہ تھا مجھے بے تنگ اٹھا ہوکر نیم جان
پوچھا نہ مجھکو یک لب نان سرکھنوں نے یان
کم پائے پر بھی سیر کیا میں نے سب جہان
آشفتہ خاطری نے پھرایا کہاں کہاں
برسوں کا راز مجھسے ہوا آکے آشکار

پرداختہ میری ہو نہ سکی اک امیر سے
عقدہ کھلا نہ دل کا دعائے فقیر سے
زخم ہمیشہ آتے رہے دل پہ تیر سے
ہر چند التجا کی صغیر و کبیر سے
لیکن ہوا نہ رفع میرے دل کا اضطرار

پھر میر کو اپنی ناقدری کا احساس ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ

کن نے کی اپنے حال پہ شفقت سے کب نگاہ
ظلم ہے کس سے طور پر اپنے سخن کی راہ
بولا نہ کوئی ہم سے کہ تم کیوں ہوئے تباہ
اسلوب اپنے جینے کا ہو کس طرح سے آہ
ہم ایک ناتوان و ضعیف اور غم ہزار

حاجت میری روا دل پر داد نے نہ کی
تاثیر اشک سرخ و رخ زرد نے نہ کی
تدبیر ایک دم بھی دم سرد نے نہ کی
دل جوئی میری حیف کسی فرد نے نہ کی
طاقت رہی نہ دل میں کیا جان سے قرار

پھر میر کہتے ہیں کہ میں جہان جہان کیا آفت آسمانی وہاں وہاں میرا پیچھا کرتی رہی -

دل سر بہ سر خراب ہے تعبیر کیا کروں
آشفتگی حال کی تعبیر کیا کروں
خون نابہا سے چشم کو تقویر کیا کروں
زردی رنگ چہرہ کی تحریر کیا کروں
آیا جو میں چمن میں خزاں ہو گئی بہار

اس شعر آشوب میں میر کا اپنا داخلی غم نمایاں ہے - اور پھر اپنی فطری عادت کی طرف بھی اس میں اشارہ کئے ہیں - یہ وہی مشہور بند ہے جس پر مولانا محمد حسین آزاد نے میر کے سلسلے میں لکھا ہے کہ " اپنی بد دماغی کے سائے میں دنیا اور اہل دنیا سے بیزار کمر میں بیٹھے رہتے ہیں ان شکایتوں کے جو لوگوں میں چرچے تھے وہ خود بھی اس سے واقف تھے [1]

---

۱- آب حیات صفحہ ۲۶۴

نتیجہ آزاد نے اس ثبوت کے طور پر یہ بند لکھ دیا ہے - حالانکہ میر نے اپنی ذاتی زندگی کی عکاسی اس شہر آشوب میں کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ مجھے کیا کیا کرنا پڑا اور ایک ایک کے در پر گیا لیکن وہ خالی ہاتھ لوٹا دیا۔ فقر و فاقہ سے مجھے جیسا نامور بھی ان حالات میں بے وقار ہو کر رہ گیا۔

حالت تو یہ کہ مجھکو غموں سے نہیں فراغ
دل سوختہ دروں سے جلتا ہے جوں چراغ
سینہ تمام چاک ہے سارا جگر ہے داغ
ہے نام مجلسوں میں میرا میر بے دماغ
از بس کہ کم دماغی نے پایا ہے اشتہار

میر کا دوسرا "شہر آشوب" بھی "در حال لشکر" کے عنوان سے ملتا ہے اس میں بھی اسی قسم کے حالات اور واقعات ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ پہلے والے شہر آشوب سے میر اپنے ذاتی غم کے دائرے سے باہر نکل نہ سکے لیکن ذاتی غم کو ہی غم دوراں میں تبدیل کر دیا - اس شہر آشوب میں وہ ذاتی غم سے شروع کرتے ہیں اور پھر سماج کے مختلف طبقوں کی جھلکیاں دیکھاتے ہیں -

اس شہر آشوب کا بھی تاریخی و تہذیبی پس منظر نادر اور ابدالی کے حملوں کے اثرات ہیں -

مشکل اپنی دوئی جو بود و باش * آئے لشکر میں ہم برائے تلاش
آن کے دیکھی یاں کی طرفہ معاش * ہے لب نان پہ سو جگہ پرخاش
نے دم آب ہے نہ چشمۂ آش

ہوئے کے درتبہ میں دین احباب * جو شناسا ملا سو بے اسباب
تنگ دستی سے سب بے حال خراب * جس کے ہے پال تو نہیں ہے عتاب
جس کے ہے فرش تو نہیں ہے فراش

ان اشعار مین نادر کے قتل عام کی کیسی سچی تصویر نظر آتی ہے - شہر کے عمائد خستہ حال ہوگئے بڑے بڑے امیر ایک گھونٹ پانی کے لئے محتاج بن گئے - گوشہ نشین بے گھر اور نواب گداگر بن گئے ہر ایک بلا مین گرفتار اور رسوائے کوچہ و بازار تھا -

زندگانی ہوئی ہے سب پہ وبال * کنجڑے جھینگین مین رہتے ہین بقال
پوچھے تھے سپاہیون کا حال * ایک تلوار بیچتے ہے اور ڈھال
بادشاہ و وزیر سب قلاش

پیچ جیسے والے جو تھے ہوئے ہین فقیر * تن سے ظاہر آگین ہین جیسے لکیر
ہین مساکین غرض صغیر و کبیر * مکھیان سی گرین ہزارون فقیر
دیکھین ٹکڑا اگر برابر ہوا

نادر اور ابدالی نے مغل خزانے کو جس طرح لوٹا اور غریب امیر بادشاہ و وزیر کی تک یہ حالت کردی کہ دانے دانے کو محتاج ہوگئے - سپاہی اپنی تلوار بیچ کر اپنی گزراوقات کررہے تھے - فقروفاقہ کی انتہائی شدت کا یہ عالم تھا کہ انسانی جسم کی رگین لکیر کی مانند ظاہر ہورہی تھی -

شور مطلق نہ ہین کسو سر مین * زور باقی نہ اسپ و اشتر مین
بھوکے کا ذکر اول و اکثر مین * خانہ جنگی سے امن لشکر مین
نہ کوئی رند ہے نہ کوئی اوباش

لعل خمیہ جو ہے سپر اساس * پالین ہین رنڈیون کی اسکے پاس
ہے زنا و شراب بے وسواس * رعب کر لیجئے یہین سے قیاس
قصہ کوتاہ رئیس ہے عیاش

اس مفلسی کے عالم مین بھی جن کے پاس دولت رہ گئی تھی ان کا کام شراب

---

۱- ذکر میر صفحہ ۱۲۲ -

طوائف کا گانا سننا رہ گیا تھا تو ظاہر ہے کہ ان رعب اور وقار کیا باقی رہا ہوگا -

جتنے یان ہین امیر بے دستور * پھر یہ حسن سلوک سب مشہور
پہنچنا ان تلک بہت ہے دور * بات کہنے کا وان کسے مقدور
حاصل ان سے نہ دل کو مہر فراش

امیروں کو اپنے عیاشی سے فرصت نہین ہے تو وہ دوسروں کی کیا بات سنے اور پھر ان تک پہنچنا بھی ایک کار دارد ہے -

چار لیچے ہین مستند کار * دس تلنگے جو ہون تو ہو دربار
ہین وقیع و شریف مارے خوار * لوٹ سے کچھ ہے گرمئی بازار
سو بھی قند سپاہ ہے باماش

درپے عمدون کے روز و شب نشر و شور * صرف یک سر فریب و رشوت خور
بے ہے دیکھین نے کسو کی اور * مردہ شو پر وہ سب کفن کے چور
رحمتہ اللہ بر اولین نباش

جہان پر چار لیچے جمع ہوگئے اور وہان دربار لدہ گیا ہر طرف لوٹ کا بازار گرم ہے درباری شریف امراء ذلیل و خوار ہین - عمدون کے ملازمین تنخواہون کا مطالبہ کر رہے ہین اور ان کے اہلکار دفتر کا یہ حال ہے کہ وہ رشوت خور ہین اور بغیر کچھ لئے وہ فریق کی طرف دیکھنا بھی نہین چاہتے -

یک بہ یک گر کسو کی موت آئی * اس کے مردے کی پھر ہے رسوائی
کیونکہ پہنچی ہے اسکو جنگ امرائی * سب وہ اولاد حاتم طائی
کون دے کر کفن اٹھائے لاش

بالضرورت گیا ہے جس کے گھر * آدمی کی نہ جنس تھا وہ خر
بات کرنے لگا تو نیچے نظر * بے مروت سفیہ مد نظر
قابل صد ہزار شاشی و تراس

ہے جنھیں کچھ بھی رویت دربار * سو فریندہ مکری و غدار
کاذب و مفت پر ہے دل آزار * ڈول ان کا ہے یہ کہ کر خوار
نام ان کا ہے یہ خراش و تراش

لوگوں میں انسانیت کی بو باس باقی نہ رہی تھی اور اگر کوئی ضرورت مند آجاتا تو وہ اس سے انسانی برتاؤ سے گریز کرتے تھے - جن لوگوں کو دربار سے تعلق ہے ان کا یہ حال ہے کہ وہ سازشوں کا جال پھیلاتے ہیں اور اپنے بادشاہ کے ساتھ غداری کرتے ہیں - عالمگیر ثانی کا فیروز شاہ کے کوٹلے میں عماد الملک کی سازش سے قتل ہونا ہی اس کا ثبوت ہے [1]

جس پہ ٹھہرے ہے آپ سرداری * اس سے ہم کو تھی چشم دلداری
صرفت ان کے بعد صد خواری * فرد دستخط ہوں جو اب یاری
جیسے تصویر مکر ہیں کوئی نقاش

اس لئے کا نہیں ٹھکانا کچھ * وہم میں بھی نہیں ہے پانا کچھ
جب میں یہ دستخط نہ آئے جانا کچھ * بن نہ آیا مجھے سیانا کچھ
خیر اس کے نہ لے اٹھوں شیاش

وان سے اٹھ کر میں پال میں آیا * سخت تغیر حال میں آیا
بارہا یہ خیال میں آیا * کہ زبان شہ کے مال میں آیا
واسطے میوے ہو میوا یہ قماش

پھر میر اس دور کی اقتصادی حالت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ پہلے روساء اگر کسی بات کی منظوری دے دیتے تو وہ رقم مل جایا کرتی تھی لیکن آج کل جو امیر سردار ہیں اور ہم ان سے وفا کی امید رکھے ہوئے تھے لیکن جب ہم اپنی ضرورت کے لئے ان کے پاس گئے تو پہلے ہمیں ذلت اٹھانی پڑی

---

۱ - مرقع دہلی درگاہ قلی خان صفحہ

اور پھر جب دستخط کی باری ـــ جب دستخط ہوگئے تو اس کا یقین نہین کہ وہ رقم مل بھی جائیگی کیونکہ خود ان کی زندگی کے لالے پڑے ہوئے ہین - دانے دانے کو وہ خود محتاج ہین -

بخشے دون جامہ تنے جو ہو قدرت * آٹھون آنے ہین خرچ یکے سلعت
دس روپیہ دون گدا کو بہ مہلت * منفقی ہوئے کب میری ہمت
صاحبان حاکمیان کرم کے تئین شاباش

جو ہو ان لوگون مین گدا کا گزر * سہم رہ جائین سب نہ دیکھین اودھر
دیر کے بعد یہ کہین مل کر * شاہ جی لے خدا سبھون کی خیر
سو بھی یہ بات ہے پھر از کنکاش

یارون کی جود کا بیان کیا ہے * وہم مین ان کے بھی جہان کیا ہے
آشکارا ہے سب نہ ان کیا ہے * دیکھتے ہین کہین کہ یان کیا ہے
ایسی صحبت مین ہم نہ سوتے کاش

بس قلم اب زبان کو اپنی سنبھال * خوشنما کب ہے ایسی فال و مقال
ہے کد سب جرخ روسیہ کی چال * مصلحت ہے کہ رہیے ہوکر لال
فائدہ کیا جو راز کرے فاش

میر ہر ایک شہر آشوب کا خاتمہ اس خیال پر کرتے ہین کہ اب ہم کو خاموش ہو جانا چاہئے یہ بلائے آسمانی ہے اور اس کی شکایت کرنے سے کوئی فائدہ نہین کیونکہ جو ہونا تھا وہ ہوکر رہیگا - اب مصلحت یہی ہے کہ چپ بیٹھے قدرت کا تماشا دیکھتے جاؤ -

## مرزا محمد رفیع سودا [1]

سودا دہلی مین پیدا ہوئے اور وہین تربیت پائی ان کے بزرگون کا پیشہ تجارت اور سپاہ گری تھا پہلے یہ سلیمان قلی خان داد کے بعد مین شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے - حاتم نے اپنے دیوان کے دیباچے مین جو شاگردون کی فہرست لکھی ہے اس مین مرزا کا نام اس طرح لکھا ہے کہ جیسے فخر کی خوشبو آتی ہے [2]

سودا کی والدہ مشہور عالمگیر شاعر نعمت خان عالی کی دختر تھی [3] یہ وہی نعمت خان عالی ہین جنھون نے اورنگ زیب کے محاصرہ دکن پر فارسی مین ایک شہر آشوب لکھا ہے -

سودا کو اپنے والد کی جائداد سے جو کچھ ترکے مین ملا تھا وہ سب عیش مین اڑا ڈالا اور بعد مین فوج مین نوکری کرلی تھی - قائم نے اپنے تذکرہ مخزن نکات مین لکھا ہے کہ "بہادر شاہ کی فوج کے ساتھ دکن گئے تھے" لیکن سودا کے شعری مزاج نے زیادہ دنون تک انھین فوج مین رہنے نہ دیا اور انھون نے نوکری چھوڑ دی -

سودا کو اپنے نانا نعمت خان عالی اور شاعری کی شہرت و مقبولیت کی وجہ سے بہت جلد سلاطین اور امراء کا قرب حاصل ہوا - "چنانچہ محمد شاہ کے خواجہ سرا بسنت خان کی مدح مین دو قصیدے ہین اور عالمگیر ثانی کی مدح مین ایک قصیدہ ہے [1] اتنی شہرت اور مقبولیت میر کے علاوہ شاید ہی کسی اور شاعر کو نصیب ہوئی ہوگی - میر اور قائم کے تذکرون سے معلوم ہوتا ہے کہ سودا کو ملک الشعراء کا خطاب دہلی دربار سے سنہ ۱۱۶۸ ہجری سے قبل

---

۱- آب حیات صفحہ ۱۸۲

۲- تذکرہ شاہ کمال صفحہ

۳- سودا شیخ چاند صفحہ ۴۴

ہی مل چکا تھا - آب حیات مین آزاد نے جو قصہ شاہ عالم کا بیان کیا ہے سودا کے ہمعصر شاعرون کے بیان کی رو سے وہ لطیفہ سے زیادہ اہمیت نہین رکھتا -[1]

سودا زندگی بھر کسی نہ کسی رئیس سے منسلک رہے اور ان کی خوب خوب قدردانی ہوئی پہلے بسنت خان خواجہ سرا سے متعلق رہے پھر احمد علی خان نجیب الدولہ ـــ جب نواب عماد الملک کی قسمت کا ستارہ چمکا اور وہ وزیر ہوئے تو انھون نے سودا کی اس طرح سرپرستی کی کہ سودا خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگے - سودا عماد الملک کی سیاست تدبیر اور انتظامی صلاحیت کے سب سے زیادہ قائل نظر آتے ہین اور ان کی مدح مین بھی ایک قصیدہ ملتا ہے -

سودا کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ شجاع الدولہ اودھ آنے کی دعوت دیتے ہین اور محمد یار خان والی روہیلکھنڈ سودا کو اپنی طرف بلانا چاہتے ہین - آخر سودا بھی حالات زمانہ اور نت نئے انقلابات سے تنگ آگئے تھے کیونکہ ان کی سرپرستی کرنے والے امراء یکے بعد دیگرے انقلاب زمانہ کا شکار ہو رہے تھے آخر آصف الدولہ کے زمانے مین سودا لکھنؤ گئے جب لکھنؤ اپنے عروج پر تھا - آخر لکھنؤ مین ہی انتقال کیا - میر اور سودا کا زمانہ ایک ہے - دونون نے اپنی آنکھون سے سلاطین کی آنکھون مین سلائیان پھرتی دیکھین ـــ دہلی کا قتل علم دربار کی سازش اور امراء کا اقتدار ـــ مرہٹون اور سکھون کی بغاوتین سب کچھ دیکھا اور اس کا شکار بھی رہے - تلاش معاش مین سودا کو بھی میر کی طرح سے دربدر کی ٹھوکرین کھانی پڑین - لیکن فرق یہ ہے کہ میر اپنی خودداری مین فقر و فاقہ مین مست رہے لیکن کبھی بھی کسی سرپرست رئیس کی مدح مین قصیدہ نہین لکھا - لیکن سودا نے بقول شیخ چاند ایک قصیدہ مین جاگیر کا مطالبہ بھی کیا ہے اور

---

۱- شیخ چاند سودا صفحہ

اپنے تمام سرپرستون کی مدح مین قصیدے لکھے ہین -

میر اور سودا دونون اپنے وقت کے مسلم الثبوت استاد ہین ان دونون کے بارے مین تذکرہ نگارون کی رائے ہے کہ "میر آہ ہے اور سودا واہ ہے" یہ تعریف ایک حد تک ان دونون پر صادق آتی ہے - کیونکہ میر کا اصلی میدان غزل ہے اور سودا کا میدان قصیدے ہین جہان ان دونون کے جوہر نمایان ہوتے ہین - سودا نے قصیدون کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا -

سودا نے بھی اپنے شہرآشوب مین روح عصر کو اسقدر کامیابی سے نمایان کیا ہے کہ اس دور کی جیتی جاگتی تصویر نگاہون مین گھوم جاتی ہے - سودا کے تین شہر آشوب ہین - ایک قصیدے کی شکل مین ایک مخمس اور ایک گھوڑے کی تشبیہ مین -

سودا اور میر نے اپنے شہرآشوبون مین مغل فوجی نظام پر زبردست وار کیا ہے - سودا نے تو ایک پورا شہرآشوب "تشبیہ روزگار" کے نام سے لکھا ہے - گھوڑے مغل فوج کی ریڑھ کی ہڈی تھے لیکن سودا کے دور مین جہان ہر طرف ابتری پھیلی ہوئی تھی اسی طرح فوج بھی سیاسی انتشار کا شکار تھی - گھوڑا مغل فوج کا سمبل ہے - میر کے شہر آشوبون مین ان کی داخلیت کی دھیمی دھیمی آنچ محسوس ہوتی ہے اور سودا کے شہر آشوب شعلہ فشان ہین - سودا اردو کے خاقانی عرفی اور انوری ہین - "انوری کی تقلید سودا نے ہجو نگاری مین کی ہے - انوری مدح اور قدح کا استاد ہے - انوری کا ایک مشہور قصیدہ گھوڑے کی ہجو مین ہے - سودا نے بھی انوری کی تقلید مین اپنا مشہور قصیدہ "تشبیہ روزگار" لکھا ہے -[1]

سودا کا شہر آشوب جو قصیدہ کی شکل مین ہے -

---

۱- سودا شیخ چاند صفحہ ۱۸۱

اب سامنے میر جو کوئی پیر و جوان ہے
دعوی نہ کر یہ کہ میر ہندی زبان ہے
ہیں حضرت سودا کو سنا بولتے یارو
اللہ رے اللہ رے کیا نظم زبان ہے

سودا شہر آشوب کی ابتداء ہی اپنی شاعرانہ تعلی سے شروع کرتے ہیں اس میں قصیدہ کی پوری شان نمایاں ہے - اس قصیدہ شہر آشوب میں ۱۰۷ شعر ہیں اور یہ بہت طویل شہر آشوب ہے -

اتنا ہی کیا عرض کہ فرمائیے حضرت
آرام سے کشتے کی طرح کوئی بھی یاں ہے
سنکر یہ لگے کہنے کہ خاموش ہی رہ یار
اس امر میں قاصر تو فرشتہ کی زباں ہے
کیا کیا میں بتاؤں کہ زمانے میں کئی شکل
ہے وجہ معاش اپنی سو جسکا بیاں ہے

ان اشعار کو تمہید کے طور پر کہنے کے بعد سودا سیدھے اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں - اور "گھوڑا" یعنی فوجی نظام کی کسمپرسی سے علم بدحالی دکھاتے ہیں -

گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ہیں کسو کی
تنخواہ کا پھر عالم بالا پہ نشاں ہے
گزرے ہے سدا یوں علف و دانہ کی خاطر
شمشیر جو کمر میں تو سپر بنئے کہ یاں ہے
ثابت ہو جو دگلا تو نہیں موزوں میں کچھ حال
تیروں میں ہے پرگیری تو یہ چلہ کماں ہے
کہتا ہے نفر غرّہ کو صراف سے جاکر
بی بی نے تو کچھ دکھایا ہے فاقہ سے میاں ہے

یہ سن کر دیا کچھ تو ہوئی عید وگرنہ
شوال سے پھر ماہ مبارک رمضان ہے

فوجیون کی حالت کہ شمشیر تو گھر رہی لیکن سپر بنئے کہ یہان رہن رکھنی پڑی کیونکہ تنخواہ کا نشان تو عالم بالا پر ہے اور دوسرے لوگون کا یہ خیال تھا کہ بنئے کہ یہان جاکر کوئی چیز بیچ کر لائی جائے تو چولہا جلتا تھا اور اگر بیچی نہ کھایا تو میان کی فاقہ کشی رہتی تھی اور اگر کچھ کھانے کو گیا تو عید ہوگئی ورنہ رمضان کا مہینہ ہی دکھائی دیتا تھا۔

قاضی کی جو مسجد ہے گدھا باندھ کے اسمین
بیٹھا ہوا اس شکل سے ہر پیر و جوان ہے
ملا جو اذان دیوئے تو منہ موند کے اسکا
کہتے ہین کہ خاموش مسلمانی کہان ہے
بولا جو خطیب اسمین تو مارین اسے اک دھول
ہاتھ آگیا وعظ تو تھپیڑاؤ وہان ہے
رینگے ہے گدھا آٹھ پہر گھر مین خدا کے
نہ ذکر نہ صلواۃ نہ سجدہ نہ اذان ہے
اور وہ جو ہین کمزور سو وان آن کے بیٹھین
رستے کے جو آگے کی وہ ہر ایک دوکان ہے
اٹھ اٹھ کے دیکھاتے ہین انھین حال وہ اپنا
دربار کے اس عہد مین جو خورد و کلان ہے
یون بھی نہ ملا کچھ تو ہر اک پالکی آگے
اس سے سے رسالے کا رسالہ ہی روان ہے
کوئی سر پہ کئے خاک کوئی چاک گریبان
کوئی رو کے ہے سر پیٹ کوئی خالہ کنان ہے

ہندو و مسلمان کا پھر اس پالکی اوپر
ارتھی کا تو ہم ہے جنازہ کا گمان ہے

ان اشعار کو پڑھتے ہوئے نادری قتل عام کے حالات ذہن میں آجاتے ہیں کہ اس کا اثر مختلف مذہبی طبقوں پر کس طرح پڑا۔ اور عوام کس طرح ہر چیز سے بیزار ہوگئے تھے حتی کہ مسجد جو خدا کا گھر ہے اس میں تک گدھے باندھنے لگے اور ملاّ اگر اذان دے تو اس کو خاموش کردیا جاتا تھا کیونکہ بدعوں کی شدت میں نماز بھی جائز نہیں ہوتی اور خطیب پر بھی مار پڑتی تھی۔ ان مقدس مذہبی رہنماؤں کا بہت برا حال تھا اور خدا کے گھر میں جہاں نماز ذکر صلواۃ ہوتی تھی انسانوں سے خالی ہوگئی تھی اور گدھے وہاں پر پھیرا کرنے لگے۔

اور وہ لوگ جو بہت ہی کمزور ہوگئے تھے وہ راستوں میں بیٹھے ہر ایک گزرنے والے سے اپنا حال بیان کرتے تھے جو کہ امراء اور روساء اس راستے سے دربار کو جاتے تھے اور امیروں کی پالکی جب گزرتی تھی تو یہ بھوکوں کی فوج اس کے آگے پیچھے دوڑتی تھی اور کوئی تو بھوک سے تڑپتا تھا اور کوئی آہ و فغاں کرتا تھا اس وقت اس منظر کو دیکھکر جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے "ارتھی" اور "جنازہ" کا گمان ہوتا تھا۔

گو ہو جئے جاکر کسی عمدہ کے مصاحب
اسکی تو اذیت نری ہی آفت جان ہے
گھڑیال کی جب بیٹھے ہوئے گنتے ہیں گھڑیاں
اور رنج خلاء رو دوں میں جوں اسپ دواں ہے
خمیازہ پہ خمیازہ ہے اور حسرت اوپر حسرت
منہ صورت سوفار مگر شکل کمان ہے
صیغے پہ طبابت کی بھلا آدمی نوکر
سو دو سو روپے کا جو کسی عمدہ کے یاں ہے

اگر آدمی بیروزگاری سے نجات حاصل کرنے کے لئے کسی امیر کے یہاں نوکر ہو جائے تو امیر کی نزاکتوں اور نخروں سے جو ذہنی کوفت ہوتی ہے وہ سوہان روح بن جاتی ہے اور اگر کوئی کسی امیر کا طبیب بن جائے تو امیر کے کھانے سے لیکر اس کی بدہضمی تک کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے - اس دور میں طبابت کا پیشہ بھی ذلت و خواری سے کم نہ تھا -

سوداگری کیجئے تو ہے اس میں یہ مشقت
دکھن میں بکے وہ جو خریدے صفہان سے
ہر صبح یہ خطرہ ہے کہ طے کیجئے منزل
ہر شام یہ دل وسوسۂ سود و زیاں ہے
جب مول مشخص ہوا مرضی کے موافق
پھر پیسوں کا جائیے کہ عامل پہ نشان ہے
پروانہ لکھا کرکے عامل کے جو وقت
کہتا ہے وہ پیسا ابھی جس پاس کہاں ہے
اور ہر سے پھر آئے تو کہا جنس ہی لیجا
دیوان و بیوتات یہ کہتے ہیں گراں ہے
آخر کو جو دیکھو تو نہ پیسے ہیں نہ وہ جنس
ہر ایک متصدی سے پریشان اور تپاں ہے
ناچار ہو پھر جمع ہوئے قلعے کے آگے
جو پالکی نکلے ہے تو فریاد و فغاں ہے

امیروں کے گھر نوکری کرنے کا وہ عالم ہے اور اگر سوداگری کیجئے تو یہ حال ہے کہ ہر لمحہ نفع نقصان کا دھڑکا لگا ہوا ہے - اگر کسی امیر نے اپنی مرضی کے مطابق کوئی چیز بنا کرلی اور قیمت بھی خود مقرر کرنے کے بعد اس رقم کا حاصل کرنا دشوار ہوجاتا ہے کیونکہ وہ خود تو ادا نہیں کرتے تھے بلکہ جاگیر کا انتظام کرنے والا عامل ہوتا تھا - یہ صرف پروانہ لکھ کر دیدیتے تھے

تھے لیکن جاگیر سے آمدنی ہو تو عامل بھی ادا کرے وہاں خود مفلسی کا دور دورہ ہے جب پیسوں کے لئے شور مچاؤ تو یہ کہا جاتا ہے کہ محل کی بیگمات کو یہ چیزیں پسند نہیں ہیں لے جاؤ۔ جب چیزیں لے جاتا ہے تو نہ وہ چیز ہی ملتی ہے اور نہ پیسہ ہی آخر مجبور ہوکر سوداگر قلعہ پر آکر جمع ہوکر فریاد کرتا تھا۔ سوداگر نے سوداگری کا ایسا نقشہ پیش کیا ہے کیونکہ وہ خود ان منزلوں سے خوب واقف تھے اور پھر اس بند میں انھوں نے جاگیرداروں کے جھوٹے بھرم پول میں کھول دیا ہے۔

دو بیل کی جاگیر جو کہیں کیجئے کھیتی
اور مینہ بھی موافق ہی پڑے تو تو سمان ہے
ہیں خشکی و غرقی کے تفکر میں شب و روز
نے اپنے امن ہے دل کے تئیں نے جی کو امان ہے

کھیتی کی طرف بھی اگر کوئی رجوع ہوجائے تو اس کا بھروسہ نہیں کہ روٹی کا مسئلہ حل ہوجائیگا کیونکہ اگر اچھی بارش ہوگئی تو خوشحالی ہے ورنہ اس میں بھی سوائے فاقہ کے اور چارہ نہیں پھر اس میں بھی دن رات خشکی اور غرقی کی فکر رہتی ہے نہ دل کا سکون باقی ہے اور نہ رات چین کی نیند۔

گر خان و خوانین کی لے کوئی وکالت
اسدا تو بیان کیا کروں تجھسے تو عیاں ہے
ہر عمدہ کے دروازے پہ زین پوش یہ بیٹھا
پوچھے ہے اجی مرد ہے جی نواب کہاں ہے
دیوان کے بخشی کے بیوتات کے حاضر
مانند کنھیا کے جہاں دیکھو تہاں ہے
ہر بات پلٹتا ہی رہے صبح سے تا شام
پیپل کے پتوں کی طرح منہ میں زباں ہے

لادئے وہ کپڑی سے وہ دامون کا سیاہا
للجادئے موڈل کہ یہ کیا خوب مکان ہے
دھتے دے غرز پیسے اوزا کر ہوئے رویوش
کھر جائے پدار جو کوئی لالہ کہان ہے
جس وقت سنایہ رہین آواز بدل کر
آپ ہی کہا کھر مین سے کشن چند دیان ہے
پھر ہو جو موڈل سے کہین راہ مین بھیٹا
استاد کا جائیر کی یہ اس سے بیان ہے
انصاف جو کیجئے تو نہین اسکی بھی تقصیر
سب ملحصل ان باتون کا اک پارچہ نان ہے

اس اشعار ہی مین مختلف پیشون کی حالت اور مکر و فریب کی طرف اشارہ کئے ہین اور پھر خود ہی سودا ان چیزون کا سبب روٹی روزگار کو مسئلہ کر بتاتے ہین -

شاعر جو سنے جاتے ہین مستغنی الاحوال
دیکھے جو کوئی فکر و تردد کو تو یان ہے
مشاقی ملاقات انھون کا کس و ناکس
ملنا انھین اسسے جو فلان اپنی فلان ہے
کر عید کا مسجد مین پڑھین جائے دوگانہ
نیت قطعۂ تہنیت خان زمان ہے
اسقاط حمل ہو تو کہین مرثیہ رلیا الیا
پھر کوئی نہ پوچھے "میان مکین" کہان ہے
ملائی اگر کیجئے تو ملاّ کی ہے یہ قدر
سون دو روپے اسے جو کوئی مثنوی خوان ہے

دن کو تو بچارا وہ پڑھایا کرے لڑکے
شب خو لکھے کھوکا اگر بند سہ دان ہے
اب کیجئے انصاف کہ جسکی ہو یہ اوقات
آرام جو چاہے وہ کرے وقت کہاں ہے

شاعروں کی حالت اور ان کی خوشامند پسندی پر سودا بہت خوبی سے طنز کرتے ہیں کہ ان کا یہ حال ہوگیا ہے کہ وہ ہر شخص ان سے ملنا چاہتا ہے لیکن وہ خود امیروں سے ملنے کے مشتاق ہیں اور عید کی تہنیت کا قطعہ پیش کریں تو شاید کچھ انعام مل جائے اگر انہیں کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں امیر کے گھر "اسقاط حمل" ہوگیا ہے تو ایسا دلدوز مرثیہ لکھینگے کہ اس وقت کے مشہور مرثیہ خوان "مسکین" کو بھی کوئی نہ پوچھے اصل میں اس شعر میں "مسکین" کی ہجو مقصود تھی -

دیوی کو کتابت لکھیں دھیلے کو قبالہ
بیٹھے ہوئے واں "میرعلی" چوک جہاں ہے
ہدیہ ہے سوا پاؤ ٹکے گزری میں آکر
یاقوت پکارے جو بکاؤ قرآں ہے

اس دور میں جہاں زندگی کے لالے پڑے ہوں وہاں اپنے دور کے مشہور اہل قلم خطاط میر علی بھی ناقدری زمانہ کے شکار ہیں اور اپنی گزر بسر کرنے کے لئے ٹکے پر لکھتے ہیں -

چاہے جو کوئی شیخ بنے بہر فراغت
چھٹتے شعراء ہیں کہ وہ مطعون زباں ہے
دیتا ہے دم خرسے کوئی شملے کو نسبت
گنبد سے کوئی پگڑی کو تشبیہ کتاں ہے

اگر کوئی شیخ اس دور میں اپنے آپ کو شیخ ثابت کرے تاکہ اسکی عزت ہو اور جاگیر سے کچھ "مدد معاش" مل جائے تو پہلے شعراء ہی اس کی ہجو کہیں

اور پھر اس کے حلقے کا لوگ مذاق اڑائیں -

پوچھے ہے مریدوں سے یہ ہر صبح کو اٹھ کر
ہے آپ کا گھر عرس کی شب روز کہاں ہے
تحقیق ہوا عرس تو کر داڑھی کو کنگھی
لے خیل مریداں گئے وہ بزم جہاں ہے

اور مرشدوں کا یہ حال ہے کہ انھیں اپنا پیٹ بھرنے کے لئے اور اپنی جھوٹی "صوفیت" کو قائم رکھنے کے لئے اپنے مرتبے سے گرنا پڑتا تھا

پیٹو سب پیٹ یہ تج کر جو کوئی ہو متوکل
جورو نو یہ سمجھے کہ نکھٹو یہ میاں ہے
اور بیٹے کے دل کو ہے خرافت کا تعین
بیٹی کو جنوں ہونے کا بابا کے گمان ہے

اگر کوئی شخص دنیا کے تمام پیشے ترک کردے اور توکل پر گزارا کرنا چاہے تو اس کو خبطی اور دیوانہ سمجھا جاتا ہے -

بانکو اگر آپ ہوئے ہفت ہزاری
یہ شغل بھی مت سمجھیو تو راحت جان ہے
آرام سے کٹنے کا سنا تو نے کچھ احوال
جمعیت خاطر کوئی صورت ہو کہاں ہے

پھر سودا یہ کہتے ہیں کہ یہ تو مختلف پیشوں کی حالت زار ہے اگر کوئی امیر ہفت ہزاری منصبدار ہے تو یہ مت سوچو کہ وہ آرام سے زندگی بسر کر رہا ہے اس کی بھی حالت دگرگوں ہے کیونکہ اصل بنیاد ہی جس پر ملک کا دارومدار ہوتا ہے وہ معاشی اور اقتصادی نظام بگڑ چکا ہے اب چاہے ہفت ہزاری ہو یا پھیری والا دونوں برابر ہیں -

دنیا میں تو آسودگی رہتی ہے فقط نام
عقبیٰ میں یہ کہتا تھا کوئی اسکا نشان ہے

سو اس پہ تسین کسی کہ دل کو نہین ہے
یہ بات بھی کو بندہ ہی کا جہ گمان ہے
یان فکر معیشت ہے تو وان دغدغہ حشر
آسودگی حرفیست نہ وہ یان ہے نہ وان ہے

اس بند مین سودا نے اپنے ۹۲ اور شعر کے شہر آشوب کو یہ کہہ کر ختم کردیا ہے کہ دنیا مین آسودگی نام کی کوئی شے نہین ہے اور شاید یہ عقبی مین مل جائے لیکن آجکل تو لوگون کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ کسی کو اس بات کا یقین ہی نہین آتا کہ آسودگی میسر ہوگی وہ تو اس کو صرف وہم و گمان تصور کرتے ہین اور اگر ملے بھی تو دنیا مین معیشت کی فکر رہیگی تو عقبی مین حشر کا ڈر - تو انسان کو آسودگی کہان میسر ہوگی - آسودگی ایک ایسا لفظ ہے جس کا وجود نہ دنیا مین ہے اور نہ عقبی مین یہ صرف دل کے بہلانے کا بہانہ ہے -

اس قصیدے شہر آشوب مین سودا نے مختلف پیشون کی حالت دکھا کر اس وقت کے تاجرون رئیسون امیرون زراعت کرنے والے کسانون کاتبون مفتی ملا خطیب شیخ ہفت ہزاری منصبدارون کی حالت کا درد ناک مرقع پیش کیا ہے اور معاشی بدحالی کی تمام تصویرین سامنے آجاتی ہین -

سودا کا دوسرا مشہور شہر آشوب مخمس کی شکل مین ہے اور اس مین ۲۵ بند ہین - اس شہر آشوب مین سودا نے کھل کر بات کہی ہے اور اس مین حالات زمانہ کا عکس زیادہ نمایان ہے اس کا عنوان ہی "ویرانی شاہ جہان آباد" ہے - ظاہر ہے کہ خود سودا جن حالات کا شکار ہوئے اور جو کچھ انھون نے محسوس کیا اس کو پوری شدت کے ساتھ بیان کردیا -

شہر آشوب کی ابتداء بھی پہلے قصیدہ شہر آشوب کی طرح نوکری کی تلاش سے شروع کرتے ہین -

کہا مین آج یہ سودا سے کیون تو ڈانوان ڈول
پھر ہے جا کہین نوکر ہو لیکر کھوڑا مول
لگا وہ کہنے کہ اس کے جواب مین دو بول
اگر کہون مین تو سمجھ کا نوکہ ہے یہ ٹھٹھول
بتا کہ کہ نوکری بکتی ہے ڈھریون یا تول

اس بند مین سودا نے پڑھنے والے کے ذہن کو اس بات کے لئے تیار کردیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھی اس دور مین لے جائے جس دور مین سودا رہتے تھے - اس دور مین نوکری حاصل کرنا اتنا ہی مشکل تھا جس طرح پارس کا پتھر کسی کو حاصل ہوجانا -

سپاہی رکھتے تھے نوکر امیر دولت مند
سو آبد انکی تو جاگیر سے ہوئی ہے بند
کیا ہے ملک کو مدت سے سرکشون نے پسند
جو ایک شخص ہے بائین صوبے کا خاوند
رہی نہ اس کے تصرف مین فوجداری کول

قوی مین ملک مین مفسد امیر ہین سو ضعیف
ٹکے کہان جو ہمین دیکھے ہون انہین سے حریف
نہ کچھ ربیع مین حاصل نہ درمیان خریف
جو عامل اب ہین محالات پر سو یون ہین خفیف
کہ جس طرح کسی حاکم کے کھر کنوار ہون اول

جو لوگ سپاہی نوکر رکھنے کی اہلیت رکھتے تھے وہ جاگیردار تھے اور انہین جاگیر ہی اسلئے ملین تھین کہ وہ بادشاہ کی مدد فوج سے کرین - لیکن یکے بعد دیگر بادشاہ یا تو مقتول ہوئے یا پھر انہین قتل کردیا گیا - نادر نے حملہ کرکے دہلی مین قتل عام مچایا - ابدالی نے رہی سہی قوت بھی توڑ دی

برھمنون کی شورشین انکے سر اٹھا رھی تھین - امراء کی درباری سازشین اپنا رنگ دیکھا رھی تھین اور یہ ملک جو امن و امان کا گہوارہ تھا وہ اب شورشون کی پناہ گاہ بن گیا ھے - پہلے جو شخص بھی بائیس صوبون کا حاکم تھا وہ اب "فوجداری کول" یعنی علیگڑھ ضلع بھی اس کے قبضہ مین نہین رھا - ان حالات مین جاگیردارون کی حالت بھی بری تھی وہ اب کس طرح نوکر پیشہ لوگون کو فوج مین بھرتی کرین - ملک مین شرپسند سر اٹھا رھے ھین اور امراء کمزور ھورھے ھین - انایج کا یہ حال ھے کہ کھیتی تباہ و برباد ھے نہ ربیع سے کچھ حاصل ھے نہ خریف سے - اور عاملون کا حال بھی بہت برا ھے -

بس انکا ملک مین کارنسق جو یون ھو تباہ
کہ کوہ زر ھو زراعت مین تو نہ دین پرکاہ
جگہ وہ کونسی نوکر رکھین یہ جس پہ سپاہ
کہان سے آئین پیادے کرین جو پیش نگاہ
کدھر سوار جو پیچھے چلین وہ باندھکر غول

انھین ھے اپنی امارت سے اب یہی منظور
کہ ھون دو مورچھل اور ایک کانپی سمور
نہ رسم صلح کی سمجھین نہ جنگ کا دستور
جوان مین قاعدہ دان تھے ھوئے وہ ان سے دور
قماش ان کی طبیعت کا سب طرح سے ثقول

امیر اب جو ھین دانا انھین کی ھے یہ چال
ھوئے ھین خاک نشین دیکھکر زمانے کا حال
بچھی ھے سوزنی فوجا کھڑا جھلے ھے رومال
حضور بیٹھے ھین اک دو ندیم اھل کمال

جو کوئی ملنے کو ان کے انھون کے گھر آیا
بلکہ یہ اس سے کہ اپنا دماغ خوش پایا
جو ذکر سلطنت اسمین وہ درمیان لایا
انھون نے پھیر کے اودھر سے منھ یہ فرمایا
خدا کے واسطے بابا کچھ اور باتین بول

جو مصلحت کیلئے جمع ہون صغیر و کبیر
تو ملک و مال کی فکر اسطرح کرین ہین مشیر
وطن پہنچنے کی بخشی کو سوجھی ہے تدبیر
ہمارا یہ اثلہ دیوان خانہ بیر وزیر

امیر اپنی امارت کے جھوٹے بھرم کو بچانے کے لئے فکرمند ہین - ان مین جو زمانے کے نشیب و فراز دیکھے ہین وہ تو گوشہ نشین ہوگئے - اور ان کی محفل ایسے دو ہم جلسیون سے زیادہ نہین ہے - اور اگر کوئی ان سے ملنے چلا آیا ہے اور اگر وہ اس سے ملنا چاہین تو ملین ورنہ لوٹا دین - جس کو شرف باریابی بخشین وہ اگر دوران گفتگو مین سلطنت کا ذکر چھیڑ دین تو صاحب خانہ منھ پھیر کر اس سے کہہ دین کہ چاہئے کوئی اور گفتگو کرو لیکن سلطنت کا نام نہ لو - یہ وہ لوگ ہین جو آج سلطنت کے نام سے گھبرا رہے ہین جو کبھی سلطنتون کو بنانے بگاڑنے مین مشہور تھے -

پڑے جو کام انھین تب نکل کے ڈھالی سے
رکھین وہ فوج جو موتے پھرے لڑائی سے
پیادہ ہے سو ڈرے سر منڈانے نائی سے
سوار کے پڑے سونے مین چارپائی سے
کرے جو خواب مین گھوڑا کسی کے نیچے الول

نہ صرف خانے مین آئے نہ خالصے جاری
سپاہی تا متعدی سبھون کو بیکاری

اب آگر دفترون کی مین کیا کہون خواری
سوال دستخطی پھاڑ کر دیا پنساری
کسی کو آنولہ دیا باندھکر کسی کو کٹول

یہ جتنے نقدی و جاگیر کے تھے منصبدار
تلاش کرکے ڈھیلے انہون نے ہو نا چار
ندان قرض مین بنیون نے دی سپر تلوار
گھرون سے اب جو نکلتے ہین لیکر وہ ہتھیار
بغل کے بیچ تو سونٹا ہے ہاتھ مین کچکول

فوج کی یہ حالت ہے کہ جنکے نام سے منہ پھیر لیتی ہے - " صرف خاصہ "
اور " خالصہ " جاگیرون کا حال یہ ہے کہ آمدنی کی تمام بند ہے سپاہی
اور تعدی سب بیکار ہین - تنخواہون کے پروانے پنساریون کی دوکان پر ردی
کاغذ بنے رہے ہین - کچھ جاگیردارون کو مختلف علاقے دئے جاتے تھے
اور کچھ جاگیردارون اور منصبدارون کو نقد رقم دی جاتی تھی تاکہ وہ فوج
رکھ سکے - جو نقد رقم والے یا نقدی جاگیردار تھے ان کے گھر بھی
فاقہ کشی ہے اور بنیون کے یہان ان کی تلوارین رہن ہین اور اب گھرون سے
تلوار کے بجائے سونٹا ہی نکلتے ہین -

جو اصطبل مین کئی گھوڑے ہین سو کیا امکان * کہ ہوئے گھاس کے پٹھے کا انکے آگے نشان
کسی کی ٹوٹی ہے ٹنگڑی کسوکا جھڑگیا کان * طویلہ اسکو کہون یا مین پنجرپیرکا تھان
اسی خیال مین رہتی ہے عقل ڈانواں ڈول

اور اب جو زعم مین آقا کے قیل خانہ ہے
جو ہتھنی اندھی ہے اسمین تو ہاتھی دانا ہے
نہ ٹھور چارے کا راتب کا نہ ٹھکانہ ہے
ہر ایک بھوک سے سوئے عدم روانا ہے

کر ہے بھوک سے شاگرد پیشہ اب یہ معاش
کہین پلاؤ تو باورچی وان پکارین آش
کرین قناتون مین دربان بیٹھے پردہ فاش
تلے سے کھینچ لے مسند کو آن کر فراش
یہ خادمان محل کی ہے ان دنون صورت
نہ خوان ڈھونے کا کشمیرنی مین باقی ست
نہ اٹھے کر چلنے کی ہوگز نرونے کی طاقت
بنی ہے بھوک سے دربانون کے یہ منہ کی گت
کہ بوڑھی ہتھنی کی جس طرح بیٹھ جائے کپول

مدار کھی ہے سلاطینون نے یہ تربہ دھاڑ
کوئی تو گھر سے نکل آئے ہے گریبان پھاڑ
کوئی در اپنے پہ آوے دے مارتا ہے کواڑ
کوئی کہے ہے جو ہم ایسے چھاتی کے ہین پہاڑ
تو چاہیے کہ ہین سب کو زہر دیجیے گھول

فوج کا جو حال تھا سو تھا گھوڑون کا یہ حال کہ کسی کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے تو کسی کا کان جھڑ گیا ہے - ہاتھیون کا یہ حال ہے کہ کوئی اندھا ہے تو کوئی کانا ہے - کسی کو بھی چارہ نصیب نہین ہے اور سب ادھ موئے ہوئے جا رہے ہین - شاگرد پیشہ والون نے باورچی کا پیشہ اختیار کیا ہے ان سے پلاؤ پکانے کہیے تو وہ "آش" پکاتے ہین - محل کے خادمون اور دوسرے کام کرنے والون کا یہ حال ہوگیا ہے کہ ان مین بھوک سے چلنے پھرنے کی سکت باقی نہین ہے - ان سب تباہیون کا الزام سودا بادشاہون کو دیتے ہین عوام کی پریشانی سب انہین کی عیش عشرت کی بدولت

ہے - اس عالم نزع سے تو زہر پینے کی خواہش کرتے ہین -

غرض حال ہے اس گفتگو سے یہ برا
کہ بے زری نے جب ایسا گران کر گھیرا
تو کوئی فکر کر نوکری کا بتیرا
نہین ہے فائدہ کچھ نا وہ چھوڑ کر ڈیرا
سو کیا وہ نوکری کٹتی ہے جسمین یون اوقات
ملے ہے پیٹ کو روٹی سو رو رو آدھی رات
جو پاکر تن ڈھپے اسمین تو آگے پیچھے پات
اور اس پہ یہ کہ وہ تب ٹھیرے روز موجودات
وہ نوکر اب جسے آقا ہر آن پہچانے
جو پوچھو اس سے کہ تم کچھ روپے لگے پانے
کہے ہے آہ وہ بھر کر سوائے آٹھ آنے
روپے کی شکل ہی دیکھی نہین خدا جانے
کہ اس زمانے مین چپٹا بنے ہے یا وہ گول

ان بندون مین سودا یہ کہتے ہین کہ میری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ دولت کی کمی نے کسی کو بھی نہ چھوڑا جسکی وجہ سے سارا ملک عالم انتشار سے گزر رہا ہے اور بحران مین مبتلا ہے ان تمام مشکلات کے باوجود بھی اگر کوئی کسی امیر کے یہان نوکری کرے تو وہ امیر اب نوکرون پر اسلئے مہربان ہے کہ نوکر بغیر تنخواہ کے کام کر رہا ہے نوکر کا یہ عالم ہے کہ آدھی آدھی رات تک اپنے نصیب کو رونے کے بعد تب اسے روٹی میسر ہوتی ہے اگر کسیکو آٹھ آنے مل گئے وہی غنیمت ہے نوکر روپیہ کی شکل تک کو بھول گیا ہے -

سخن جو شہر کے ویران سے کرون آغاز * تو اسکو سن کے کرین ہوش چند کے پرواز
نہین وہ گھر نہو جسمین شغال کی آواز * کوئی جو شام کو مسجد مین جائے بہر نماز
تو وان چراغ نہین ہے بجز چراغ غول

کسی کے گھر نہ رہا آسیا سے تا بہ اباغ
ہزار گھر میں کہیں ایک گھر جلے ہے چراغ
سو کیا چراغ وہ گھر ہے گھروں کے غم سے چراغ
اور ان مکانوں میں ہر سمت رینگتے ہیں الاغ
جہاں بہار میں سنتے تھے بیٹھ کر ہنڈول

خراب ہیں وہ عمارت کیا کہوں تجھ پاس
کہ جن سے دیکھے سے جاتی رہی بھوک و پیاس
اور اب جو دیکھو تو دل ہووے زندگی سے اداس
بجائے گل چمنوں میں کہو کہو ہے گھاس
کہیں ستون پڑا ہے کہیں ڈھیر مرغول

ان تین بندوں میں سودا کے جذبات کی شدت ابھر آئی ہے۔ احمد شاہ ابدالی نے جب مرہٹوں کو شکست دی اور دہلی پر قابض ہوگیا۔ سودا کے ہمعصر شاعر میر نے اسوقت کی دہلی کی جو تصویر کھینچی ہے اس سے زیادہ شدت اور تاثر سے پر جذبات سودا کے اشعار ہیں میر اپنی خودنوشت سوانح عمری میں "دلی پھر لٹی" کے عنوان سے ابدالی کی تباہی اور شہر کی ویرانی بیان کرتے ہیں۔ میں ایک دن ٹہلتا ہوا شہر کے نازہ و ویرانوں سے گزرا۔ ہر قدم پر روتا اور عبرت حاصل کرتا تھا۔ جوں جوں آگے بڑھا حیرت بڑھتی گئی۔ مکانوں کو شناخت نہ کرسکا آبادی کا پتہ تھا نہ عمارتوں کے آثار نہ ان کے مکینوں کی خبر۔ گھر کے گھر مسمار تھے دیواریں شکستہ خانقاہیں صوفیوں سے خالی۔ خرابات رندوں سے خالی۔ نہ وہ بازار تھے جن کا بیان کروں۔ بڑے بڑے محل تباہ ہیں۔ گلیاں ویران راستوں پر وحشت برس رہی ہے۔ تمام چمن ویران ہیں۔[1]

---

۱۔ ذکر میر صفحہ ۱۳۷ ۱۳۸

رکھے تھے سیر یہ پنکھٹ کے گرد کے دیہات
کہ لب جہان کے تھے پنہاریوں کے آب حیات
اور ان درختوں کی دئے چھائیں گھنے گھنے پات
نہ وہ درخت ہیں وان اب نہ آدمی کی ذات
کنوؤں میں مردے پڑے ہیں نہ رسیاں ہے نہ ڈول

وہ شاہ جہان آباد جہان کی پنہاریوں کے ہونٹوں سے آب حیات ٹپکتا تھا اور وہ دیہات جہان کی گھنی چھاؤں میں محبتیں جوان ہوتی تھی اس تباہی میں پنہاریوں کے لبوں نے زہر پی لیا اور دیہاتوں میں نہ درخت ہیں اور نہ آدمی ہی ادھر کا رخ کرتا ہے کیونکہ یہی صحرا بن گیا ہے - کنوؤں میں عورتوں نے اپنی عزت و ناموس بچانے کیلئے کود پڑیں - اس کی صداقت کا اندازہ ایک مورخ کے بیان سے بھی ہوتا ہے -

جمیز فریزر کا بیان ہے کہ عزت و ناموس کی خاطر دس ہزار عورتوں نے کنوؤں میں چھلانگ لگا کر جان دے دی - کچھ عورتیں دو تین دن کے بعد زندہ نکالی گئیں -[1]

جہان آباد تو کب اس ستم کے قابل تھا
مگر کبھو کسی عاشق کا یہ نگر دل تھا
کہ یوں مٹا دیا گویا کہ نقش باطل تھا
عجب طرح کا یہ بحر جہان پہ ساحل تھا
کہ جسکی خاک سے لیتی تھی خلق ہوتی رول

دیا بھی وان نہیں روشن تھے جس جگہ فانوس
پڑے ہیں کھنڈروں میں آئینہ خانوں کے ہانوس

---

۱- جمیز فریزر

نرور دل پر از امید ہوگیا مایوس
کہوں سے یوں نجہاکہ نکل گی ناموس
ملی نہ ڈولی انہیں تہے جو صاحب جونڈول

نجیب زادیوں کا ان دنوں ہے یہ معمول
وہ برقع سر پہ کہ جسکا قدم فلک ہے طول
ہے ایک گود میں لڑکا گلاب کا سا پھول
اور انکے حسن طلب کا ہر ایک سے یہ اصول
کہ خاک پاک کی تسبیح ہے جو لیجئے مول

سودا نے بڑے ہی درد انگیز طریقہ سے دلی کی تباہی کا ہر پہلو سے نقشہ کھینچا ہے وہ کہتا ہے کہ جہان آباد تو بالکل معصوم شیر تھا اور یہ ظلم و ستم قہر خداوندی کے قابل نہ تھا - یہ تو عاشقوں کی بستی تھی یہاں اہل دل رہتے تھے یہ وہ شیر تھا جسکی خاک سے لوگ موتی رولتے تھے لیکن آج نادر اور ابدالی کے حملوں نے اسکو نیست و نابود کردیا - شہر کے شرفا اپنی عزت و ناموس کو سرعام بازار لوٹتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے - معزز گھرانے کی عورتوں کو قتل عام کی بھگدڑ میں ننگے سر ننگے پیر ان سڑکوں پر نکلنا پڑا جہاں پر کبھی وہ ڈولی میں بیٹھ کر نکلا کرتی تھیں - آج وہ برقع اوڑھ کر باہر نکلتی ہیں ان کی گود میں پھول سا بچہ ہے اور ان کو دیکھکر سارا جہان انکے حسن کا خریدار ہے - وہ شاہجہان آباد جسکو سودا اور میر نے رشک جنت دیکھا تھا آج وہ کھنڈر بن گیا ہے -

غزل میں کیا لکھوں یارو کہ دیکھکر یہ قہر
کرور مرتبہ خاطر میں گزرے ہے یوں لہر
جو ٹک بھی اس دل اپنے کو دیوئے گردش دہر
تو بیٹھ کر نہیں یہ روئے کہ موندم شہر
کہوں سے پانی کو باہر کریں جھلول جھلول

بس اب خموش ہو سودا کہ اگر تاب نہین
وہ دل نہین کہ اس غم سے وہ کباب نہین
کسی کی آنکھ نہوگی کہ وہ پر آب نہین
سوائے اس کے تری بات کا جواب نہین
کہ یہ زمانہ ہے ہر طرح کا زیادہ نہ بول

آخری بندون مین سودا بھی میر کی طرح نادر اور ابدالی کے حملون کو قہر خداوندی کہتے ہین اور بہتر ہین کہ اس تباہی پر بیٹھ کر سوائے خون کے آنسو رونے کے اور کیا کر سکتے ہین اور تمام تفصیل بیان کرنے کی دل مین تاب نہین ہے وہ کونسا ایسا دل ہوگا جو اس پر جل کر کباب نہ ہوا ہوگا - وہ کونسی آنکھ ہوگی جس نے اسکی تباہی کو دیکھکر بھر نہ آئی ہوگی اور کون ایسا نہ ہوگا جو اس بلائے ناگہانی کا شکار نہ ہوا ہوگا - اب زمانہ خراب ہے اسلئے خاموش ہوجانا بہتر ہے -

یہ شہر آشوب دہلی کی تباہی اور دور اول کے شہر آشوبون مین سے زیادہ متاثر کرنے والا ہے - اسمین سودا اپنی قصیدہ نگاری کی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہے - جہان جہان اس نے مناظر نگاری اور تباہی و بربادی کے مناظر دیکھائے ہین اسکا نقشہ پڑھنے والون کی نگاہون مین گھوم جاتا ہے اور دل اس تباہی پر رونے لگتا ہے - یہی سودا کی کامیابی ہے -

سودا نے ایک شہر آشوب "تاجیک روزگار" کے عنوان سے لکھا ہے بظاہر یہ ایک گھوڑے کی ہجو ہے - لیکن اگر غور سے اسکو پڑھا جائے تو اس گھوڑے کی ہجو مین سودا نے مغل حکومت کے فوجی نظام کی کمزوری کی طرف بہت لطیف طنز کئے ہین "گھوڑا" مغل فوج کی شجاعت اور مستحکم فوجی نظام کا ایک مخصوص سمبل ہے - چنانچہ مغلیہ عہد مین گھوڑون کی تربیت اور نگداشت پر بڑا وقت صرف کیا جاتا تھا چنانچہ فن اسپ شناسی اور "مبصری" کے

تعلق تصانیف کی کثرت سے یہی ظاہر ہوتا ہے -

خود سودا اوائل عمری مین فوج مین ملازم رہے ہین اور وہ اس نظام اور اسکی کمزوری سے بخوبی واقف تھے - اس حیثیت سے سودا نے "تنجیک روزگار" لکھکر اس دور کے فوجی نظام پر بھرپور ضرب لگائی ہے اور مختلف امراء کی فوجون کی حالت زار کا صحیح مرقع پیش کردیا ہے - "تنجیک روزگار" کی ابتداء ان امراء کی بدحالی سے شروع کرتے ہین جن کی فوج اور گھوڑے مشہور تھے -

ہے چرخ جب سے ابلق ایام پر سوار
رکھتا نہین ہے دست عنان کا بیک قرار
جن کے طویلے بیچ کوئی دن کی بات ہے
ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا ہون مین کہ زمانے کے ہاتھ سے
موچی سے نقش پا کو گھٹاتے ہین رہ ادھار

اب ان لوگون کی یہ حالت ہے جن کے یہان عربی اور عراقی نسل کے گھوڑے رہتے تھے وہ زمانے کے انقلاب کی وجہ سے اپنی جوتی بھی موچی سے اودھار گھٹاتے ہین اور مفلوک الحال ہین -

ہین گر چنانچہ ایک ہمارے بھی مہربان
پاوے سزا جو جوان کا کوئی نام لے نہار
نوکر ہین سو روپے کے دنائت کی راہ سے
گھوڑا رکھین ہین ایک سو اتنا خواب و خار
نہ دانہ نہ کاہ و نہ تیمار و نہ سئیس
رکھتا ہو جیسے اسپ کلی طفل شیر خوار

T 783

اس کے بعد سودا اپنے ایک دوست کا ذکر کرتے ہیں کہ انکے یہاں ایک گھوڑا ہے وہ اسقدر کمزور اور لاغر ہے کہ وہ مٹی کا گھوڑا معلوم ہوتا ہے جیسے بچوں کے کھلونے ہوا کرتے ہیں - اس کو نہ دانہ ہے نہ چارہ نہ اسکا کوئی سائیس ہے -

مانند نقش نعل زمین سے بجز فنا
ہرگز نہ اٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار
اس مرتبہ کو بھوک سے پہنچا ہے اسکا حال
کرتا ہے راکب اسکا جو بازار میں گزار
قصاب پوچھتا ہے مجھے کب کروگے یاد
امیدوار ہم بھی ہیں کرتے ہیں یوں چمار
پوچھا خروں کے تیں دانہ بوجھ کر
دیکھے ہے آسمان کی طرف ہولے بیقرار
تنکا اگر پڑا کہیں دیکھے ہے گھاس کا
ہولے کو آنکھ موند کے دیتا ہے وہ پسار
ہے اسقدر ضعیف کہ از جائے یاد سے
پہنچیں گر اسکے تھان کی ہووین نہ استوار
نے استخوان نہ گوشت نہ ہے اسکے پیٹ میں
دھونکے ہے دم کو اپنے کہ جوں کھال کو لوہار
یہ حال اسکا دیکھ غرض یوں کہے ہے خلق
چنگل سے موذی کے تو چھڑا اسکو کردگار
لے جاویں چور یا مرے یا ہو کہیں یہ گم
اس تین بات سے کوئی بھی ہووے آشکار

گھوڑے کی لاغری اور اسکی بھوک کا تمام نقشہ پیش کرکے سودا یہ بتاتے ہیں کہ انہیں ایک دن کسی کام سے گھوڑے کی ضرورت ہوئی اور انہوں نے اپنے دوست

سے گھوڑا مانگا - یہ وہی صاحب ہیں جن کے گھوڑے کی وہ پہلے بندوں میں صراحت کر چکے ہیں - اور ان کی شان میں قصیدہ لکھ چکے ہیں - اس دوست نے سودا سے کہا کہ

لیکن کسی کے جھڑھنے کے لایق نہیں یہ اسپ
یہ واقعی ہے اسکو نہ جانوگے انکسار
صورت کا جسکی دیکھنا ہے گورِ خوکو ننگ
سیرت ہے جسکی نت ہے سدا خشمگین کو عار
بدرنگ جیسے لید ہے بدبو ہے جوں پیشاب
بدیمن یہ کہ اصطبل اوجڑ کرے ہزار
لیکن جسے نہ روئے تواریخ یاد ہے
شیطان اس پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار

اس گھوڑے کے مالک نے جو خصوصیات اسکی بیان کی ہے پہلے ہی سودا اس کی تمام خصوصیات کا تعارف کرا چکے ہیں - لیکن مالک گھوڑا ایک دو قصہ بھی بیان کر دیتا ہے تاکہ اسکے بیان کی اصلیت پر یقین آجائے -

اک گیا تھا مانگنے یہ گھوڑا براءت میں
دولہا جو بیاہنے کو چلا اس پہ ہوسوار
سبز سے خط سیاہ و سیہ سے ہوا سفید
تھا سحر و ساحر قد سو ہوا شاخ باردار

اس میں سودا نے کچھ غلو کر دیا ہے لیکن اسکی چال کی اس سے بڑھ کر اور کوئی مثال بھی نہیں ملتی - اسکے بعد پھر وہ دہلی پر مرہٹوں کے حملے کے وقت کا حال بیان کرتا ہے کہ مرہٹوں کے مقابلے کیلئے جب میں اس گھوڑے پر سوار ہو کر چلا تو ---

دہلی تک آن پہنچا تھا جس دن کہ مرہٹہ
مجنس کہا نقیب نے آکر ہے وقت کار

جس شکل سے سوار تھا اس دن مین کیا کہون
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یون ذلیل و خوار
جابجا تھے دونون ہاتھ مین پکڑی تھی منہ مین باگ
تک تک سے پاشنہ کی مرے پانؤن تھے فگار
آگے سے تو بڑا اسے دکھلاتے تھا سئیس
پیچھے نقیب ہانکتے تھا لاٹھی سے مار مار
اس ماجرے کو دیکھ ہوئے جمع خاص و عام
اکثر دیوون مین سے کہتے تھے یون پکار
پیچھے اسے لگاؤ نہ تا ہووے یہ روان
با بادیان باندھے پون کے دو اختیار
پوچھے تھا کوئی مجھسے ہوا تجھسے کیا گناہ
کتراتی نہ کدھر پہ تجھے یون کیا سوار

ظاہر ہے کہ جب موہٹون سے جنگ کرتے جب سپاہی اس قسم کے گھوڑے لیکر چلے ہونگے تو کیا نقشہ رہا ہوگا - اور آخر یہ صورت حال کیون پیدا ہوئی اسکے اسباب یہ تھے کہ آہستہ آہستہ مغل فوج مین گھوڑون کی قلت شروع ہوگئی اور پھر اورنگزیب کے دکن کے طویل محاصرہ مین سینکڑون گھوڑے کام آئے ہونگے - امراء اور منصبدار بھی اقتدار کی دوڑ دھوپ مین سرگرداں رہتے تھے اور اپنے علاقون کی طرف سے بے پروا اور فوج کی نگہداشت کی طرف سے لاپروا ہوگئے تھے اب فوج وغیرہ صرف کاغذی کارروائی ہوکر رہ گئی تھی - ظاہر ہے کہ موہٹے نئی طاقت بن کر ابھر رہے تھے انکے مقابلے مین مغل فوج اپنی تنخواہون کے مطالبے مین گرفتار تھی امراء اپنی پگڑی کا بھرم قائم رکھے ہوئے تھے اس فوج کو شکست ہونا لازمی تھا جو اسطرح کے گھوڑون پر میدان کارزار کی طرف چلی ہو - دوسرا سبب غالباً نادرشاہی لوٹ تھی - اسکے متعلق سر ہنری ٹانس لکھتا ہے کہ "دارالخلافہ کے امراء و روساء اور مختلف علاقون کے صوبہ دارون نے بھی کروڑون اور لاکھون

روپیے نقد جواہرات اور مرصع آلات اور نفیس سامان ہدیہ کے طور پر نادرشاہ کی خدمت مین پیش کیا ـــ دہلی کے دوران قیام مین اس سلطنت کے خزانون امراء و روساء اور دور و نزدیک کے صوبہ دارون سے پندرہ کروڑ روپیہ نادرشاہ کے خزانہ مین آیا ـ[1]

فریزر کا بیان ہے کہ "نقد و جواہر ظروف و لباس اور دیگر اشیاء ستر کروڑ روپیہ کی تھین اس کے علاوہ نادرشاہ اپنے ساتھ ایک ہزار ہاتھی سات ہزار گھوڑے دس ہزار اونٹ ایک سو تیس ادیب و شاعر دو سو ہمار تین سو پتھر پھوڑے اور دو سو بڑھی لے گیا ـ ان تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت کیا حالت رہی ہوگی اور اچھے گھوڑون کی کمی کے کیا اسباب ہین ـ اور اب اگر مریل اور جنگی چاہت کے دعویدارون مین قصائی اور چمار نہ ہونگے تو کیا کوئی فوجی ہونگے ـ اور کیا مغل فوج کو شکست نہ ہوگی ـ

اس مخمصہ مین تھا ہی کہ ناگاہ ایک اور * فتنے کو آسمان نے کیا مجھسے پھر دوچار
دھوبی کمہار کے گدھے اس دن ہوئے تھے گم * اس ماجرے کو سن کیا دونون نے وان گزار
ہر اک نے اسکو اپنے گدھے کا خیال کر * پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھا دم کمہار
دست دعا اٹھاکے مین پھر وقت جنگ کے * کہنے لگا جناب الہی مین یون پکار
پہلی ہی گولی چھوٹتے اس گھوڑے کے لگے * ایسا لگے نہ تیر کہ ہووئے نہ تن سے یار
یہ کہہ کے مین خدا سے ہوا مستعد یہ جنگ * اتنے مین مرہٹہ بھی ہوا مجھ سے آدوچار
جاتا تھا مین ڈپٹ کے جب اسکو حریف پر * دوروں تھا اپنے پاؤن سے جون طفل نے سوار
جب دیکھا مین کہ جنگ کی یان یہ بند ہی ہے شکل * لے جوتیون کو ہاتھ مین گھوڑا بغل مین مار
دھر دھمکا وان سے لڑتا ہوا شہر کی طرف * القصہ مین نے آن کے گھر مین کیا قرار

ظاہر ہے کہ سوائے شکست اور فرار کے کوئی صورت نہین تھی اور مرہٹے اسطرح سے دہلی کے دروازے پر دستک دینے لگے تھے ـ اور مغل فوج میدان سے فرار کا راستہ ڈھونڈھ رہی تھی ـــ آخر مین سودا اس قصیدہ کی وجہ نزول بھی بتاتے ہین کہ ـــ

سودا نے تب قصیدہ کہا سن یہ ماجرا * ہے نام اس قصیدہ کا تضحیک روزگار

سودا میر کی بہ نسبت موضوع کی اصل کی طرف قاری کا ذہن منتقل کردیتے ہین اور اپنے روز بیان سے کردار نگاری اور جزیات نگاری مین حقیقت کا رنگ بھر دیتے ہین یہی وجہ ہے کہ انکے تمام شہر آشوبون مین قصیدہ کی شان ہے اور وہی انداز بیان ہے جو شعلہ بیانی ان کا شیوہ ہے - یہی وجہ ہے کہ سودا کے شہر آشوب ہمین بے انتہا متاثر کرتے ہین -

نظیر اکبر آبادی [1]

میر اور سودا کے ہمعصر تھے لیکن اپنے دور مین دہلی والون نے انھین شاعر تسلیم کرنے سے انکار کردیا - نظیر یون تو دہلی مین پیدا ہوئے لیکن ابدالی کے حملون کے زمانے مین اپنی مان اور نانی کے ساتھ آگرہ چلے گئے - دہلی اس وقت پایۂ تخت تھا اور آگرہ کے رونق دہلی منتقل ہوچکی تھی - اس حیثیت سے یعنی نظیر کا تعلق نہ کسی رئیس سے تھا نہ کسی درباری امیر تک ان کی رسائی تھی وہ ہمیشہ عوام مین رہے اور عوامی زبان مین شعر کہتے رہے - نظیر کے موضوعات مین بڑا تنوع ہے - زندگی کے ہر پہلو کا انھون نے عام آدمی کے نقطۂ نظر سے اسکی اہمیت کا جائزہ لیا ہے - جہان تک زبان کا تعلق ہے اس دور کے شرفاء نظیر کی زبان کو بازاری سمجھتے تھے - لیکن یہی بازاری شاعر آج اپنی ہمہ گیری اور رنگا رنگی کی وجہ سے ہندوستان کا پہلا اور عوامی شاعر ہے - مزاج مین جو رندی اور سرمستی تھی اور زندگی کو جس نقطۂ نظر سے وہ دیکھتے تھے اس کا انداز اسی سلیس اور سادہ پن سے کیا ہے کہ وہ آج زبان زد خاص وعام ہے - نظیر کی ہزارون نظمین اپنی دلکشی اور فلسفیانہ خیالات کی بدولت آج اپنا مقام رکھتی ہین - جہان نظیر

---

۱- رام بابو سکسینہ - آب حیات

نے ہر موقع و محل پر شعر لکھے وہان پر "آگرے" کی تباہی کو وہ کس طرح نظر انداز کرسکتے تھے - انھون نے اپنے طویل شہر آشوب مین آگرہ شہر کی زندگی پر جو آفات اور مصیبتین نازل ہوئین اور عوام کو کس طرح معاشی اور اقتصادی بدحالی کا شکار ہونا پڑا اس کا تفصیلی جائزہ لیا ہے - آگرہ کے تمام پیشہ ورون پر جو افلاس اور مصیبت چھائی ہوئی تھی ان کا ذکر کیا ہے ـــ

ہے اب تو کچھ سخن کا میرے کاروبار بند * رہتی ہے طبع سوچ مین لیل و نہار بند
دریا سخن کی فکر کا ہے موج دار بند * ہو کس طرح نہ منہ مین زبان بار بار بند
جب آگرہ کی خلق کا ہو روزگار بند

بیروزگاری نے یہ دیکھائی ہے مفلسی * کوٹھے کی چھت نہین ہے یہ چھائی ہے مفلسی
دیوار و در کے بیچ سمائی ہے مفلسی * ہر گھر مین اسطرح بھر آئی ہے مفلسی
پانی کا ٹوٹ جاوئے ہے جون ایک بار بند

کڑیان جو سال کی تھین بکین وہ تو اگلے سال * لاچار قرض و دام سے چھپرئے ہین ڈال
پھوس اور ٹھٹھرے اسکے ہین جون سر کے بکھرے بال * ان بکھرے پھوس سے ہے یہ ان چھپرونکا حال
گویا کہ ان کے بھول گئے ہین چمار بند

اب آگرہ مین جتنے ہین سب لوگ ہین تباہ * آتا نظر کسی کو نہین اک دم نباہ
مانگو عزیزون ایسے برے وقت سے پناہ * وہ لوگ ایک کوڑی کے محتاج اب ہین آہ
کسب و ہنر کے یاد ہین جن کو ہزار بند

صراف بنئے جوہری اور سیٹھ ساہوکار * دیتے تھے سبکو نقد سو کھاتے ہین اب ادھار
بازار مین اڑے ہے پڑی خاک بے شمار * بیٹھے ہین یون دوکانون مین اپنے دوکاندار
جیسے کہ چور بیٹھے ہون قیدی قطار بند

سوداگرون کو سود نہ بیوپار کی فلاح * بزاز کو ہے نفع نہ پنساری کو فلاح
دلال کو ہے یافت نہ بازار کو فلاح * دکھیا کو فائدہ نہ پنساری کو فلاح
یہان تک ہوا ہے آن کے لوگون کا کار بند

مارے ہین ہاتھ ہاتھ پہ سب یان کے دستکار * اور جتنے پیشہ دار ہین روتے ہین زار زار
کوئے ہے تن لہار تو پیسئے ہے سر سنار * کچھ ایک دو کے کام کا رونا نہین ہے یار
جھبیس پیشے والون کا ہے کاروبار بند

نظیر نے اپنے شہر آشوب مین آگرہ کے ۲۶ پیشون کے کاروبار بند ہوجانے کی شکایت کی ہے - ظاہر ہے کہ جس شہر مین ۲۶ پیشے والے مزدور اور کاریگر رہتے ہون اس شہر کی رونق اور خوشحالی مین کیسے شبہ ہوسکتا ہے -[1]

"مغلیہ دور مین امراء اور روساء آسائش کی اشیاء اور ان ضروریات کو پورا کرنے کیلئے بڑے بڑے شہر آباد ہوئے" آگرہ کی آبادی سیاحون کے تخمینہ کے مطابق پانچ لاکھ یا چھ لاکھ ساٹھ ہزار تھی -[2]

ایک طرف تو شہرون کی آرایش و رونق تھی تو دوسری طرف سنہ ۱۷۳۹ء مین نادر شاہ نے دہلی مین قتل علم کیا پھر سنہ ۷ - ۱۷۵۶ء مین احمد شاہ ابدالی نے شہر کے لوگون کی مال وعزت کو تاراج کرنے مین اس نے کوئی کسر باقی نہ چھوڑی -[3] متھرا لوٹا اور وہان قتل عام کیا - آگرہ کو جاٹ اور سرہند

---

۱ - آگرہ کے مزدورون کے مطابق کہا گیا ہے کہ انکے جھونپڑون مین سوائے دو چارپائیون اور پانی اور کھانا پکانے کے کچھ مٹی کے برتنون کے اور کوئی سامان نہ ہوتا -
(پیلسارٹ صفحہ ۶۱)
اسی فضا مین بقول برنئیر کے "دستکارون کیلئے نقل کرنا ممکن تھا لیکن عقل سے کلم لینا ناممکن ہے (فرانسیسی سیاح - برنئیر - صفحہ ۵۷ ۲۵۴)-

۲ - پہلا تخمینہ نسٹ زیوئیر سنہ ۱۶۰۹ء - دوسرا مائزیک سنہ ۱۶۴۰ء کا ہے -

۳ - خزانہ عامرہ -

کو پہلے ہی سکھ لوٹ چکے تھے - اسطرح مغلیہ عہد کے بڑے بڑے شہر بالکل اجڑ گئے اور ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کی پرانی صنعتین بھی غائب ہوگئین - ان تمام حالات کے پس منظر مین نظیر کا شہر آشوب جنم لیتا ہے اور بجا طور پر نظیر نے جوکہ خود ان پیشہ والون سے واقف تھے ان کا ذکر کیا ہے - جاٹون کی لوٹ مار اور بد امنی کا ذکر کرکے اس دورکے سماجی سیاسی اقتصادی اور تمدنی انتشار کو اپنے شہر آشوب مین بڑی خوبی سے دکھایا ہے -

ہر زرکے بھی جتنے کام تھے وہ بھی دیکھ گئے * اور ریشمی قوام بھی یک سر چپک گئے
زردار اٹھ گئے تو بیٹھے سرک گئے * چلنے سے کام تارکشون کے بھی تھک گئے
کیا بال ستیلی کھچین جوھوجائے تار بند

بیٹھے بساطی راہ مین تنکے سے چنتے ہین * جلتے ہین نان بائی توبھربھونجے بھنتے ہین
دھنئے بھی ہاتھ ملتے ہین اورسر کود ھنتے ہین * روتے ہین وہ جو "مشروع" و "دارائی" بنتے ہین
اور وہ تو مرگئے ہین جو بنین ہین ازار بند

گر کاغذی کے حال کے کاغذ کو دیکھئے * مطلق اسے خبر نہین کاغذ کے بھاؤ سے
ردی قلم دوکان مین نہ ٹکڑے ہین ٹاٹ کے * یان تک کہ اپنی چھٹی کے لکھنے کے واسطے
کاغذ کا مانگتا ہے ہر اک سے ادھار بند

ہردم کمان گرون کے اپر پیچ و تاب ہین * صحاف اپنے حال مین غم کی کتاب ہین
مرتے ہین مینا ساز مصور کباب ہین * نقاش ان سبھون سے زیادہ خراب ہین
رنگ و قلم کے ہوگئے نقش و نگار بند

بیچین تھے وہ جو گوند ہکے پھولونکی بد ھی ہار * مرجھا رہی ہے دل کی کلی بی ہے دلفدار
جب آدھی رات تک نہ بکی جنس آبدار * لاچار پھر وہ نوکری اپنی زمین پہ مار
جاتے ہین گرد دوکان کو افسردہ ہار بند

حجام پر بھی یان تئین ہے مفلسی کا زور * پیسا کہان جو سان پہ ہو استرون کا شور
کانپے ہے سر بھگوتے ہوئے اسکی پور پور * کیا بات ایک بال کٹے یا تراشے کور
یان تک ہے استرے ذہرنی کی دھار بند

ڈسپرد بجا کے وہ جو رکھتے ہین زہر مار * آپ ہی وہ کھیلتے ہین پلا سر زمین پہ مار
منتر تو جب چلے کہ جو ہو پیٹ کا ادھار * جب مفلسی کا سانپ ہو انکے گلے کا ہار
کیا خاک پردہ باندھین کہین جاکے مار بند

ان اشعار مین زری کا کلام کرنے والے - ریشمی کپڑے بننے والے بساطی نان بائی بھڑبھونجے ردی کاغذ والے صحاف یعنی جلد ساز مینا ساز مصور پھولون کا ہار بیچنے والے حتی کہ حجام اور استرون کو تیز کرنے والے بھی مرھٹون اور جاٹون کے آگرہ پر حملون سے تباہ برباد ہین - یہ تمام پیشے والے تو ضروریات زندگی کی تکمیل کرتے ہین جب ان کا یہ حال ہوا ہوگا تو پھر شہر اور عوام کی کیا حالت ہوگی - اور آدمی محنت کرنے کو تیار ہے لیکن روزگار ہی عنقا ہے ـــــ

محنت سے ہاتھ پاؤن کی کوڑی نہ ہاتھ آئے * بیکار کب تلک کوئی قرض و ادھار کھائے
دیکھو جیسے وہ کرتا ہے رو روکے ہائے ہائے * آتا ہے ایسے حال پہ رونا ہمین تو ہائے
دشمن کا بھی خدا نہ کرے کاروبار بند

شہر مین مفلسی کی وجہ سے بھکاری بھی جو خود بیکار ہوتے ہین انھین بھی ان کی روزی سے محروم کردیا ہے -

اس شہر کے فقیر بھکاری ہین جو تباہ * جس گھر مین جاسوال وہ کرتے ہین خواہ مخواہ
بھوکے ہین کچھ بجھائیو بابا خدا کی راہ * وان سے صدا یہ آتی ہے " پھر مانگو" ابتو آہ
کرتے ہین ہونٹھ اپنے وہ ہو شرمسار بند

کیا چھوٹے کام والے کیا پیشہ درنجیب * روزی کے آج ہاتھ سے عاجز ہین سب غریب
ہوتی ہے بیٹھے بیٹھے جب شام عنقریب * اٹھتے ہین سب دوکان سے کہہ کرکہ بانصیب
قسمت ہماری ہوگئی بے اختیار بند

قسمت سے چار پیسے جنھین ہاتھ آتے ہین * البتہ روکھی سوکھی وہ روٹی پکاتے ہین
جو خالی ہاتھ آتے ہین وہ قرض لیتے ہین * یون بھی نہ پایا کچھ تو فقط غم بھی کھاتے ہیں
سوتے ہین کر کواڑ کو اک آہ مار بند

تمام پیشہ والے کیا نجیب کیا غریب سب عاجز ہین فقیر کو ایک روٹی کا ٹکڑا ملنا دشوار ہے البتہ جو کوئی بھی کہین سے کچھ کما لیتا ہے وہ بھی روکھی سوکھی روٹی کھا کر زندہ رہنے کی کوشش کرتا ہے جنھین کچھ نہین ملتا وہ اودھار کھاتے ہین اور پھر ان غریبون کو کھانے کیلئے غم تو مل ہی جاتا ہے -

کیونکر بھلا نہ مانگئے اسوقت سے پناہ * محتاج ہو جو پھرنے لگے دربدر سپاہ
یان تک اسیرزادے سپاہی ہوئے تباہ * جنکے جلو مین چلتے تھے ہاتھی وگھوڑے آہ
وہ دوڑتے ہین اور کے پکڑے شکار بند

ہے جن سپاہیون کنے بندوقی اور سنان * کندھے کا انکا نام نہ چھلے کاہے نشان
چاندی کے بند تار تو پیتل کے ہین کہان * لاچار اپنی روزی کا باعث سمجھکے ہان
رسی مین انھین باندھے ہین پیادے سوار بند

جو گھوڑا اپنا بیچ کے زین کو گرو رکھین * یا تیغ اور سپر کو ہے جوک مین پھرین
پٹکا جو یکنے آدلے تو کیا خاک دیکے لین * جب پیش قبض بک کے پڑے روٹی پیٹ مین
پھر ان کا کون مول لے وہ لچھے دار بند

جتنے سپاہی یان تھے وہ جانے کو لوگے * دکھن کے تئین نکل گئے یا پیشتر گئے
ہتھیار بیچ ہوگئے گدا گھر بگھر گئے * جب گھوڑے بھالے والے بھی یون دربدر گئے
پھر کون پوچھے انکو جو اب ہین کٹار بند

ایسا سپاہ مرد کا دشمن زمانا ہے * روٹی سوار کو ہے نہ گھوڑے کو دانا ہے
تنخواہ نہ طلب ہے نہ پیسا نہ کھانا ہے * پیادے دوال بند کا پھر کیا ٹھکانا ہے
دردر خراب پھرنے لگے جب نقار بند

اس مفلسی کا شکار صرف پیشہ ور نہین بلکہ امیرزادے جن کے جلوس مین ہزارون لوگ چلا کرتے تھے اور وہ لوگون کو خیرات دیا کرتے تھے لیکن آج وہ خود دوسرون کی پالکی کے ساتھ دوڑے دوڑے پھرتے ہین - سپاہی اگر بندوق رکھتا ہے تو نہ اس کا کندھا ہے اور نہ چھلا باقی ہے - مفلسی سے تنگ آکر اپنا گھوڑا تک فروخت کردیا اور زین کو گرو رکھ دیا اور اب صرف تلوار اور سپر لئے چوک مین گھومتے نظر آرہے ہین - چوک مین ایک سے ایک چیز بکنے کیلئے آرہی ہے لیکن خریدنے کیلئے پیسہ تک نہین کیونکہ تلوار کا "پیش قبض" فروخت کرکے تو پیٹ کی آگ بجھائی جا رہی ہے -

سپاہی لوگ ادھر اودھر مارے مارے پھر رہے ہین جس کسی کو جہان کوئی آسرا معلوم ہوا وہ وہان چلے گئے کیونکہ زمانہ سپاہیون کا دشمن معلوم ہوتا ہے - ایسے عالم مین لوگ عشق تک بھول گئے اور معشوقون کی ادائین تک دل مین گرمی پیدا کرنے سے قاصر رہین -

لذت ہے جنکو حسن کے نقش و نگار سے * محبوب ہین جو غنچہ دہن گل عذار سے
آوے اگر وہ لاکھ طرح کی بہار سے * کوئی نہ دیکھے انکو نظر بھرکے پیار سے
ایسے دلون کے ہوگئے آپس مین کار بند

اور پھر مذہبی پیشوا شیخ و برہمن بھی ان حالات سے بچ نہ سکے -
اندر نہ خادمون کے تئین مقبرون کے بیچ * بامن بھی سر پٹکتے ہین سب مندرونکے بیچ
عاجز ہین علم والے بھی سب مدرون کے بیچ * حیران ہین پیرزادے بھی اپنے گھرون کے بیچ
نذر و نیاز ہوگئی سب اک بار بند

اس تباہی کا شکار وہ لوگ بھی ہوئے جن کا حسن ہمیشہ سدا بہار رہتا تھا اور دنیا کے تمام کاروبار ٹھپ ہوسکتے ہین لیکن طوائفون کا کاروبار کبھی بند نہین ہوسکتا - لیکن جاٹون اور مرہٹون کی سوزشین اور قتل عام کی وجہ سے طوائفون کے کاروبار بھی بند ہوگئے اور وہ بھی فاقہ کا شکار ہونے لگین - اس سے اندازہ

ہوسکتا ہے کہ کس شدت سے آگرہ مین فاقہ اور افلاس کا دور دورہ رہا ہوگا ۔

گز ۔ ۔ ۔ ۔ نوبتی ہے کسی کی رشک ماہ * کہتی ہے اسکی نائیکا بھرپھرکے سرد آہ
کوئی سوا روپے پہ رکھے اسکو خواہ مخواہ * یارب تو جلد کھول دے روزی کی اسکی راہ
مت اسکا رکھ میرے پروردگار بند

اس مفلسی کے عالم مین ملک کا نظام درہم برہم ہوگیا ہے مرہٹون کے مسلسل حملون اور شاہ عالم کا مرہٹون کی بدولت دہلی کے تخت پر بیٹھنا یہ مغل نظام حکومت کیلئے زہر تھا ۔ شاہراہون کا جو انتظام تھا وہ سب چوپٹ ہوگیا ۔

لوٹین ہین گرد وپیش جو قزاق راہ مار * بیوپاری آتے جاتے نہین ڈر سے زنہیار
کوتوال روئین خاک اڑاتے ہین چوکیدار * ملاحون کا بھی کام نہین چلتا میرے یار
ناوین ہین گھاٹ گھاٹ کی سب دار پار بند

جتنے ہین آگرے مین سب کارخانہ جات * سب پر پڑی ہے آن کر روزی کی مشکلات
کس کس کے دکھ کو روئے کس کس کہئے بات * روزی کے اب درخت کا ہلتا نہین ہے پات
ایسی ہوا کچھ آگے ہوئی ایک بار بند

میر اپنی خود نوشت سوانح عمری مین اپنے آگرہ جانے کے متعلق لکھتے ہین یہ زمانہ جولائی سنہ ۱۷۶۲ء کا ہے جب کہ سورج مل نے بغاوت کی تھی ۔
"آہ اے وطن ! مین صبح و شام دریا کے کنارے سیر و تماشا کرنے کیلئے جاتا تھا جو سب اچھی جگہ واقع ہے ۔ اس طرف باغ ہین ادھر قلعہ اور امراء کی حویلیان گویا بہشت کی لہر ہے ۔ میری معنی آفرینی کا شہرہ تو عالم گیر تھا اور حسین سیاہ پلکون والے اچھی سج دھج والے جامہ زیب اور پاکیزہ طینت شاعر مجھے نہین چھوڑتے تھے اور بڑی عزت کرتے تھے دو تین بار سارے شہر مین گھوما ۔ وہان کے عالمون فقیرون اور شاعرون سے ملا ۔ کوئی ایسا مخاطب نہ ملا جس سے دل بیتاب کو تسلی ہو ۔ مین نے سوچا خدا کی شان یہ وہی شہر ہے جسکی ہر گلی مین عارف کامل فاضل شاعر منشی دانشمند فقیہہ متکلم حکیم صوفی محدث

مدرس، درویش، شیخ، ملا، حافظ، قاری، امام، مؤذن، مدرسہ، مسجد، خانقاہ تکیہ، مہمان سرا، مکان، اورحسین باغ تھے - اور آج مجھے ایسی جگہ نظر نہین آتی جہان بیٹھ کر خوش ہو جاؤن ایسا آدمی نہین ملتا جس سے گفتگو کرسکون - شہر کو ایک وحشت ناک ویرانہ پایا - اور نہایت صرمہ اٹھا کر لوٹ آیا - وطن مالوف سے رخصت ہوتے وقت آنکھین بھر آئین -[1]

میر کے الفاظ کی روشنی مین نظیر کا بیان دیکھئے - میر تو کافی عرصہ بعد آگرہ آئے تھے لیکن نظیر تو زندگی بھر وہین رہے - ان کے دل پر کیا بیتی ہوگی -

ہے کون سادہ دل جسے فرسودگی نہین * وہ گھر نہین کہ روزی کی نابودگی نہین
ہرگز کسی کے حال مین بیہودگی نہین * اب آگرے کے نام کو آسودگی نہین
کوڑی کے آگے ایسے ہوئے رہگذار بند

ہین باغ جتنے یان کے سوایسے پڑے ہین خوار * کانٹے کا ان مین نام نہین پھول درکنار
سوکھے ہوئے کھڑے ہین درختان میوہ دار * کیاری ہین خاک دھول روش پر پڑے غبار
ایسی خزان کے ہاتھون ہوئی ہے بہار بند

دیکھے کوئی چمن تو پڑا ہے اجاڑ سا * غنچہ نہ پھل نہ پھول نہ سبزا ہرا بھرا
آواز قمریون کی نہ بلبل کی ہے صدا * نہ حوض مین ہے آب نہ پانی ہے نہر کا
چادر پڑی ہے خشک تو ہے آبشار بند

بے وارثی سے آگرہ ایسا ہوا تباہ * پھوٹی حویلیان ہین تو ٹوٹی شہر پناہ
ہوتا ہے باغبان سے ہراک باغ کا نباہ * وہ باغ کسطرح نہ لٹے اور نہ اجڑے آہ
جس کا نہ باغبان ہو نہ مالک نہ خار بند

عوام اب مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے دست بہ دعا ہین -
کوئی اتارتا ہے پیڑا بھیج اے خدا * اب تو ہمارا کام تھکا بھیج اے خدا
کوئی کہے ہے ہاتھ اٹھا بھیج اے خدا * لے جان اب ہماری تو یا بھیج اے خدا
کیون روزی یون ہے کی مرے پروردگار بند

---

۱- ذکر میر صفحات ۱۴۲ و ۱۴۳

آخر سے پہلے بند مین نظیر خدا سے دعا کرتے ہین کہ یارب اس مفلسی کے عذاب سے چھٹکارا دلا - یہ بارونق شہر تباہ ہورہا ہے عوام بھوکے ہین اپنے فضل کی ایک نظر ادھر بھی ہوجائے - اور سب لوگ خوش حال ہوجائین -

ہے مری حق سے اب یہ دعا شام اور سحر * ہو آگرے کی خلق پہ پھر مہر کی نظر
سب کھاوین پیوین شاد رہین اپنے اپنے گھر * اس ٹوٹے شہر پر بھی الٰہی تو فضل کر
کھل جاوین ایک بار تو سب کاروبار بند

آخری بند مین نظیر اپنی وابستگی دکھاتے ہین اور اسی محبت اور جوش کے تحت چار پانچ بند لکھے ہین یہ چار پانچ بند "۴۵" کی طرف اشارہ کرتے ہین - اس آخری بند مین نظیر کی آگرے سے محبت بڑی متاثر کن ہے -

عاشق کہو اسیر کہو آگرے کا ہے * ملا کہو دبیر کہو آگرے کا ہے
مفلس کہو فقیر کہو آگرے کا ہے * شاعر کہو نظیر کہو آگرے کا ہے
اس واسطے یہ اس نے لکھے چار پانچ بند

نظیر کے شہر آشوب مین جو عمومیت ہے اور جو روانی و دلکشی ہے وہ شاید کسی اور کو مشکل سے ملے گی- اس مین آگرے کی حقیقی تصویر نمایاں ہے اور ۲۶ پیشہ ورون کی حالت امراء سپاہی محلسرا حویلی باغ وغیرہ ان سب کا بیان اپنے اندر ایک درس عبرت رکھتا ہے -

سودا کے بعد نظیر کا یہ شہر آشوب اپنے موضوع اور تنوع کے لحاظ سے ایک خاص حیثیت رکھتا ہے اس مین دردمندی بھی ہے اور درس عبرت بھی اور وسیع شاہدہ بھی ہے یہی وجہ ہے کہ اس شہر آشوب کے ایک ایک بند مین "روح عصر" نمایاں ہے - اس سے نظیر کی ہمہ گیر نظر کا اندازہ اور جذبات و احساسات کی شدت کا احساس ہوتا ہے -

جراءت [1]

شیخ قلندر بخش جراءت جعفرعلی حسرت کے شاگرد تھے علاوہ فن شاعری کے نجوم مین ماہر تھے اور موسیقی کا شوق رکھتے تھے - ستار خوب بجاتے تھے - یہ نواب محبت خان خلف حافظ رحمت خان نواب بریلی کی سرکار مین نوکر ہوئے اور یہ دہلی کے رہنے والے تھے لیکن سنہ ۱۲۱۵ھ مین لکھنؤ پہنچے اور اور سلیمان شکوہ کی سرکار مین ملازم ہوئے - ان کے ہمعصرون مین انشاء مصحفی اور سودا میر وغیرہ ہین - لکھنؤ مین انشاء اور جراءت کی ہمیشہ نوک جھونک رہی - جراءت اپنی شاعری مین لکھنؤ اسکول کی نمائندگی کرتے ہین - ان کی تمام شاعری چوما چاٹی کی ہے -[1]

مولوی مسعود حسین رضوی ادیب نے اپنے مقالہ مین[2] جراءت کے جس شہر آشوب کا ذکر کیا ہے اسکے متعلق محمد حسین آزاد "آب حیات" مین جراءت کے بیان مین لکھتے ہین کہ " ظہور اللہ خان نواب سے جراءت کی کسی معاملے مین بگڑ گئی انھون نے ان کی ہجو مین ایک ترجیع بند کہا اور حقیقت مین خوب کہا - اسکا شعر یہ ہے -

ظہور حشر نہ کیون ہو جو کلچڑی گنجی * حضور بلبل بستان کرئے نوا سنجی "

میرے خیال مین چونکہ جراءت کا مزاج ہجو کی طرف مائل تھا اور نہ انھون نے وہ رنگ دیکھا تھا جو شہر آشوب لکھنے کیلئے ضروری ہے اور نہ اس تباہی سے دوچار تھے جو اور شعراء دیکھ چکے تھے - اسلئے اسکو ہم شہر آشوب نہین کہہ سکتے کیونکہ یہ شہر آشوب کی تمام شرائط پر پورا نہین اترتا - اس کو ہم محمد حسین آزاد کی روایت سے صرف ہجو تسلیم کرسکتے ہین اور ہجو مین مختلف چیزون کا ذکر بھی کیا جا سکتا ہے - اسلئے اس کا یہان نقل کرنا ضروری نہین ہے - یہ اگر شہر آشوب ہے - اگر دہلی کا ہے تو پہلے شعر مین "ظہور" کا نام ہی لکھنؤ کی طرف اشارہ کررہا ہے جسکا حوالہ "آب حیات"

۱- آب حیات صفحہ ۲۹۰-۲۹۱ ۲- نقوش شمارہ نمبر ۱۰۲ مئی سنہ ۶۵ء

مین موجود ہے اور لکھنؤ کا یہ ہو نہین سکتا کیونکہ دہلی کی تباہی سے لکھنؤ کی جوانی سنور رہی تھی اور نواب وزیر آہستہ آہستہ لکھنؤ کو دہلی کی ٹکر پر لا رہے تھے -

راسخ عظیم آبادی ا

راسخ نے ایک شہر آشوب مثنوی لکھی - اسمین عظیم آباد (پٹنہ) کی گذشتہ خوشحالی اور فارغ البالی اور موجودہ مفلسی اور تباہی کا ذکر کیا گیا ہے - اور مختلف پیشون کی بدحالی کا بیان ہے - البتہ یہ پہلی مثنوی ہے جو دہلی سے ہٹ کر ایک دوسرے شہر عظیم آباد مین لکھی گئی - لیکن چونکہ اس پر وہ تباہی نہین آئی جو شاعر کے احساسات کو جگاتی اور اسکو دردمندی عطا کرتی ـــ اسکی اہمیت یہ ہے کہ جہان شاہ جہان آباد مختلف حملون کا شکار ہوتا رہا وہان اس دور مین دور دراز کے شہر بھی اس تباہی کے اثر سے بچ نہ سکے - اور وہان کے مختلف پیشون کی حالت دگرگون ہوگئی -

یہ گلزار اب ہوگیا خار زار * خزان ہوگئی ہائے اس کی بہار
کوئی اس چمن مین توانگر نہین * کوئی غنچہ سان صاحب زر نہین
معطل ہے ہرکوئی بیکار ہے * فقط مفلسی برسر کار ہے
گدائی کا کاسہ ہے دربدر * ہین آوارہ ارباب فضل و ہنر

مشایخ اور مرشدون کے متعلق

مشائخ جو ذی عزو و تعظیم ہین * دل انکے بھی صدمہ کش نیم ہین

خوش نویسون کی حالت

لکھون خوشنویسون کا مین حال کیا * نوشتے پر اپنے ہین گریان سدا

زراعت کی تباهی

زراعت کا پیشه بهی بے آب هے * درد مدعا یان تو نایاب هے

سپاهیون کی بدحالی اور گهوڑون کی حالت

سپاهی کی مٹی بهی اب هے خراب * که تیغا هوا نوکری کا نو یاب
هین افلاس سے ایسے اندوهگین * که مٹی کا گهوڑا میسر نهین

اور شعراء کی طرح راسخ بهی اس تباهی کو عوام کی بد اعمالی سے تعبیر کرتے هین -

بهت جانتے هین فریب اور زور * بهت بڑهه گیا حد سے فسق و فجور
نهین نیک نیت کوئی یان ولیک * اگر هے تو هے وه هزارون مین ایک

## دوسرا دور

### دور دھلی سنہ ۱۸۵۷ء

سنہ ۱۸۵۷ء سے شہر آشوب مین ایک دوسرا رنگ شروع ہوتا ہے پہلے تو اس مین ہیئت اور موضوع مین تبدیلی ملتی ہے کیونکہ اب دھلی کا ماحول بدل گیا تھا - پہلے دور کے شہر آشوبون مین ہمین زمانے کی شکایت نادری اور ابدالی حملون کی وجہ سے بیروزگاری بدنظمی سیاسی انتشار تمدنی اور سماجی مزاج کی شکایت ملتی ہے اور پھر نادر اور ابدالی کا قتل عام ایک عظیم سانحہ تھا — مرھٹون سکھون کی شورشین صوبون کی خود مختاریان درد سر بن گئی تھین - انگریز آھستہ آھستہ تجارت سے حکومت کی طرف بڑھنے لگا تھا - اور فوجی نظام کی تباہ حالی پر تو سب شعراء نے کھل کر طنز کیا تھا - سودا کو "شاہ جہان آباد کی ویرانی ستاتی تھی — اور میر کو اس دور مین اپنی ناقدری کا احساس تھا — نظیر کو اکبرآباد آگرہ کی تباھی گوارا نہ تھی - اور اس دور مین شہنشاہ دھلی شاہ عالم مرھٹون کی بدولت تخت دھلی پر بیٹھتا ہے لیکن اسکی حیثیت یہ تھی کہ اسکی حکمرانی کا دائرہ "سلطنت شاہ عالم از دھلی تا پالم" — تک رہ گیا تھا - مگر سنہ ۱۸۵۷ء مین نہ لشکر رہا اور نہ فوجی رہے جو نام کی بادشاہیت تھی وہ بھی ختم ہوگئی جو دلون کو سہارا دیتی تھی کہ اب بھی مغل بادشاہیت کا سایہ سر پر ہے - اس عظیم حادثہ کا اثر یہ ہوا کہ شہر آشوب مین طنز اور ھجو کے بجائے نوحے اور مرثیت کی لے تیز ہوگئی اور اسطرح یہ ایک محدود دائرہ مین سمٹ گئی -

۱۰ مئی سنہ ۱۸۵۷ء مین دھلی مین وہ عظیم انقلاب برپا ہوا جس کا تصور کوئی بھی نہین کرسکتا تھا - جس سرزمین پر بادشاہون کے قدم نہین پڑتے تھے وہان ان کے سراب سڑکون مین خون مین نہائے ہوئے کسمپرسی کے عالم مین تھے - جس لال قلعہ کو تہذیب و تمدن اور اقتدار اعلیٰ کا مظہر سمجھا جاتا تھا اسی قلعہ ھلی کی سامراجی تاجر اپنے جوتون سے روندتے ہوئے گزر رہے تھے - اس لڑائی کو مورخین غدر کے نام سے یاد کرتے ہین - لیکن یہی

وہ لڑائی ہے ہماری پہلی جنگ آزادی ہے - انگریز سامراج اس کو غدر کہتا ہے -

بغاوت میرٹھ کی چھاؤنی سے شروع ہوئی - خواہ اس کے اسباب کچھ بھی رہے ہون - لیکن ہندوستانیون کو اس بات کا احساس تو ہوچلا تھا انگریز رہا سہا نظام بھی ختم کرنے پر تلا ہوا ہے - یہ ٹھیک ہے کہ سنہ ۱۸۵۷ء کی کوئی منظم تحریک نہین چلی اور نہ اس کے چلانے والے کوئی واضح شعور رکھتے تھے - یہی وجہ ہے کہ انھین شکست نصیب ہوئی -

لیکن جب میرٹھ کے بہادر جوان دہلی پہنچے اور انھون نے بہادر شاہ ظفر سے قیادت کی خواہش کی تو وہ خواہ مجبور ہوکر خواہ سارے ہندوستان کے تاجدار بنے کی خواہش مین تیار ہوگئے - صوبون کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ہندوستانی جوان میرٹھ سے دہلی تک قابض ہوگئے تھے - ہندوستانی جوانون نے دہلی مین داخل ہوکر انگریز سامراج کو نکال باہر کرنا شروع کردیا - اس مین جن لوگون نے مدافعت کی کوشش کی وہ مارے گئے - میرٹھی فوج نے سارے شہر کو اپنے قبضے مین کرلیا اور مرزا مغل ولیعہد کو افواج کا کمانڈر مقرر کردیا -

دوسری طرف لوٹ مار کا بازار گرم ہوگیا اور شہر کے چور بدمعاشون کی بن آئی اور اس ہنگامہ آرائی مین بہت سے معززین شہر بھی زد مین آگئے - شہر کے بدمعاش یہ کہہ کہہ کر ہندوستانی افواج کو جوش دلاکر مشتعل کرتے کہ "فلان گھر مین میم چھپی ہے اور فلان شخص انگریزون کا ہوا خواہ ہے - اور شہر والون کے لئے یہ عجیب زمانہ تھا کہ خود اپنے ہاتھون ستائے جارہے تھے - اور انھین کیا خبر تھی کہ بعد مین انگریز سامراج انھین اور بھی ستائیگا - ظہیر الدین ظہیر دہلوی جو سنہ ۱۸۵۷ء کی لڑائی کے وقت قلعہ کے متوسلین ہی سے تھے ان کا بیان ایک عینی گواہ کا بیان ہے اور انھون نے "داستان غدر" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے - یہ ٹھیک ہے کہ وہ عینی شاہد ہین -

لیکن اصل دیکھنا یہ ہے کہ انکا رویہ اسی لڑائی کے بارے مین کیا رہا اور ان مین کتنی دردمندی اور دلدوزی کا انھون نے مظاہرہ کیا۔ یہ وہی ظہیر دہوی ہین جنھون نے انگریز حاکمون کی ستائش اس وقت کی ہے جب کہ ہزارون عوام کو وہ خاک وخون مین نہلا چکے تھے۔ قلعہ ہلی کو پیرون تلے روند دیا تھا۔ جس کے دربار سے ظہیر دہلوی منسلک تھے ان کے شہزادون کے سر کاٹ کر کشمیری دروازے کے پاس رکھے گئے تھے۔ جس شخص کو وہ کل تک شہنشاہ ظفر کہتے تھے اسی کے سامنے اس کے لخت جگر کے سرون کو ناشتہ کے لئے پیش کیا گیا تھا۔ جس تہذیب مین وہ پہلے بڑھے تھے اس کو نیست ونابود کیا جا رہا تھا۔ ابھی زخمون سے خون رس رہا تھا کہ ان لوگون نے نئے آقاؤن کی تعریفون کے پل باندھ دئے اسی سے ان کے زاویہ نظر کا اندازہ ہوتا ہے ؎

ہزار شکر کہ دوران دور "کوپر" ہے
زمانہ عہد مین اس کے ترقیون پر ہے

ایک اور صاحب نواب شہاب الدین احمد خان ثاقب دہلی کے ڈپٹی کمشنر "کوپر" کی تعریف اسطرح کرتے ہین

حاکم عادل ودانا کو خدا نے بھیجا * تب یہ آباد ہوئے چند مکان دہلی
کون داور جم مرتبہ کوپر صاحب * کہ جسے خلق یکے نشان جہان دہلی

ان اشعار سے اس دور کے شعراء کا ذہنی رویہ معلوم ہوتا ہے۔

اس دور کے شہر آشوبون مین دہلی کی محبت سب سے نمایان اور مشترک جذبہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان تمام شعرا نے میرٹھ سے جو فوج آئی تھی اس کو بلا بھیجا اور مفتی صدرالدین خان آزردہ جیسا شخص بھی یہ کہتا ہے کہ ؎

کالے میرٹھ سے یہ کیا آئے کہ آفت آئی

داغ کہتے ہین کہ ـــــ

غضب مین آئی رعیت بلا مین شہر آیا
یہ پوربی نہین آئے خدا کا قہر آیا

اس کی وجہ یہ بھی آتی ہے کہ میرٹھ کی افواج نے جب شہر پر قبضہ کرلیا تو بدمعاشون کی بن آئی اور انھون نے لوگون کو لوٹنا اور ستانا شروع کردیا۔ جس کی وجہ سے ان تمام شعراء کے یہان میرٹھی افواج سے ناراضگی ملتی ہے۔ اس کا ثبوت بھی ہمین ملتا ہے کہ "شہر کی یہ کیفیت تھی کہ بدمعاش شہر کے پوربیون کو ہمراہ لئے ہوئے بھلے مانسون کے گھر لٹواتے پھرتے تھے اور جس کو مالدار دیکھا اس کے گھر پوربیون کو لیجاکر کھڑا کردیا کہ یہان میم چھپی ہے۔ بادشاہی ملازمون کی حقیقت یہ تھی کہ ہر وقت اجل سر پر کھڑی رہتی تھی ہر دفعہ لوگ آکر ہم کو گھیر لیتے تھے اور سینے پر بندوق رکھ دیتے تھے۔[1]

ظاہر ہے کہ میرٹھ کی فوج سے زیادہ شہر کے بدمعاشون نے فائدہ اٹھایا اور دوسری طرف شعراء کی ناراضگی بھی حق بجانب ہے لیکن اتنی بھی نہین کہ انھین "پوربی" کہہ کر بغاوت سے دیکھا جائے۔

پھر انگریز سامراج کی فتح اور ہندوستان پر مکمل حکمرانی کے بعد سامراجی فوجون نے جو تباہی اور بربادی مچائی اور جو قتل عام کیا اس سے لوگون کے دلون مین نادری قتل عام کا نقشہ گھوم گیا ہوگا۔ دہلی کئی بار لٹی لیکن سنہ ۱۸۵۷ء مین ایسی لٹی کہ پھر اس کو بننے مین ایک تہذیب کی قربانی دینی پڑی۔

شعراء دہلی نے اس قیامت خیز مصیبت پر بکثرت نظمین لکھی ہین اور ان نظمون غزلون مین درد اور غم کی فراوانی ہے شدت احساس اور خون کے آنسو بھی ملتے ہین۔ شعراء دہلی عرب شعراء کی طرح دہلی کی عظمت رفتہ کو یاد

---

۱۔ ظہیر دہلوی "داستان غدر" صفحہ ۸۲

کرتے ہین اپنی شان و شوکت کے ہر کھنڈر پر خون کے آنسو روتے ہین - کبھی قلعی معلی کی چکا چوند کردینے والی یاد زہن کو ستاتی ہے اور کبھی چاندنی چوک کی ویرانی کے عالم مین دیکھ کر ان کا دل بھر آتا ہے - اور جب جامع مسجد کے فلک بوس مینار اور اس کی سیڑھیون کو دیکھتے ہین جہان خاک و خون کا چھڑکاؤ ہوا ہے تو ان کے سینون سے آہ وبکا نکل جاتی ہے یہ وہی جامع مسجد ہے جس کے متعلق میر نے لکھنؤ مین کہا تھا کہ " میری شاعری کو سمجھنے کیلئے جامع مسجد کی سیڑھیون سے واقفیت ضروری ہے -[1] یہی برباد شدہ آثار اور تاراج شدہ مقامات کا مرثیہ اس دور کے شہر آشوبون کا موضوع ہے -

دہلی کے شہر آشوب اور آشوب نامون کے دو مجموعے شائع ہوچکے ہین - ایک فغان دہلی ہے دوسرا فریاد دہلی - مین نے اپنے مقالے کے سلسلے مین "فغان دہلی" مرتبہ محمد تفضل حسین کوکب کو بنیاد بنایا ہے -

یہ مجموعہ تین شرارون مین منقسم ہے - شرارۂ اول ـــــ کلام حضرت محمد سراج الدین ظفر اور مرزا محمد رفیع السودا ـــــ شرارۂ دویم ـــــ در سد سات شہر آشوب کہ در زمانہ آشوب دہلی بہ زبان سخن دران رسیدہ - شرارۂ سوم ـــــ در غزلیات وغیرہ -

دہلی کے شہر آشوبون کی خصوصیات

اس مین ہیئت کی تبدیلی ملتی ہے - اور مضمون مین بھی کچھ فرق ہے لیکن مختلف طبقون کا اقتصادی اور سماجی بدحالی کا ذکر بھی ملتا ہے - ان تمام شہر آشوبون مین پہلے دہلی کی عظمت اور پھر گریز آتا ہے اور پھر سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزون کی لائی ہوئی تباہی اور بربادی پر سب سے زیادہ زور صرف کیا گیا

---

۱ - آزاد آب حیات

ہے - اور پھر آخر مین دعا مانگی گئی ہے کہ عظمت رفتہ لوٹ آئے - کہین کہین انگریزون سے صلح صفائی کی تلقین بھی ہے - ان مین خالص وطنیت اور سیاسی رنگ سب کم ہے بلکہ یہ دہلی کی تہذیب و معاشرت کے نوحے ہین ان مین مسلمانون کے برابر ہندوؤن کا حصہ سبھی سنہ ۱۸۵۷ء کی لڑائی مین دیکھایا ہے -

مگر سب سے زیادہ حاتم دہلوی نے تہذیب کے مٹ جانے کا کیا ہے - عوام کی اقتصادی بدحالی اور تباہ حالی کو بھی جگہ دی ہے لیکن خاندان تیموری اور امراء کے جان و مال و عزت و آبرو کے تاراج ہونے کا اثر شعراء کے دل پر زیادہ ہے - کیونکہ ان مین سے بیشتر قلعہ سے وابستہ تھے یہ ایک فطری بات ہے - اسی لئے عوام کے فقر و فاقہ کی کوئی زیادہ اہمیت نہین دی ہے - ان تمام شہر آشوبون کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ دہلی کی تباہی اور بربادی کے متعلق ہر شاعر کا زاویہ نگاہ مختلف ہے - کوئی شاہ پرستی مین کھویا ہوا ہے تو کوئی جاہ پرستی مین کوئی دوستون کو یاد کر رہا ہے کوئی اپنے خاندان کے افراد کے قتل پر نوحہ کنان ہے کوئی دہلی کے باکمالون کی موت اور مجلسی زندگی پر نوحہ خوان ہے کسی کو دہلی کے عظیم الشان ممالک کے مٹ جانے کا غم ہے - کسی کو ادب کے مٹ جانے کا ڈر ہے اور کسی کو زبان کے ختم ہونے کا - غرض کہ ہر ایک نے جو کچھ اپنی بساط کے مطابق محسوس کیا اس تاثر کو نظم کر دیا - مجموعہ فغان دہلی مین جن لوگون نے شہر آشوب لکھے ہین ان کی تعداد (۱۲) ہے اور جنھون نے آشوبیہ غزلین لکھی ہین ان کی تعداد ۳۳ ہے - یہان ہمین صرف شہر آشوب سے بحث ہے - غزلون مین جو آشوبیہ انداز پایا جاتا ہے وہ ایک طرح سے صحت مند علامت ہے اور آگے چلکر یہی رنگ سیاسی نوعیت اختیار کرتا گیا - اور آج ہم دیکھتے ہین کہ غزلون مین بھی آشوبیہ انداز کافی ہے -

## دوسرے دور کے شہر آشوب ا

مبین ـــــ حافظ غلام دستگیر نام مبین تخلص تھا ۔ مبین کا ایک مخمس دو مسدس اور ایک غزل "فغان دھلی" مین موجود ھے ۔

مبین کے شہر آشوب مین بنیادی خصوصیات طبقون اور اقتصادی رنگ نمایان ھے ۔ اور ۱۸۵۷ء کے تمام حالات بھی ملتے ھین ۔ مبین خون کے آنسو روئے ھین لیکن انھون نے ان اسباب کو بھی تلاش کرنے کی کوشش کی ھے جس کی وجہ سے یہ حالات پیدا ھوئے ۔ مبین کے نزدیک مختلف طبقون مین عدم مساوات اور اقتصادی نشیب و فراز کو بڑا دخل ھے ۔ اس طرح دو طبقون یعنی امراء اور غرباء مین ایک خلیج حائل ھوگئی تھی اس کے علاوہ مبین مذھبی تصورات کا سہارا لیتے ھین اور اس ھنگامہ کو اپنے اعمال کا نتیجہ قرار دیتے ھین ۔

دل غنی رکھا سخاوت پہ نہ زر والون نے
شکر نعمت نہ کیا ھم سے بد افعالون نے
دل سے بے گھر جو کیا ھے تو انھین چالون نے
پھینکا صحرائے پر آفت مین انھین حالون نے
ظلم گورون نے کیا اور نہ ستم کالون نے
ھم کو برباد کیا اپنے ھی اعمالون نے
ھائے کیا کیا نہ زمانے نے کئے مکر و ھات
ناچ اور رنگ مین دن رات گزارے اوقات
عیش مین محو رھے بھول گئے صوم و صلوات
زر کی الفت مین ادا بھی نہ کئے صبح و زکوات
ظلم گورون نے کیا اور نہ ستم کالون نے
ھم کو برباد کیا اپنے ھی اعمالون نے
مجمع وعظ سے تھا ھائے گریزان یہ دل
تھی حسینون کے فسانے پہ طبیعت مائل

انتظام عمل بد سے رہے ہم غافل
خاک ہے چین فلک سے ہین بلائین نازل
بے سبب کاہے کو دیتی ہے یہ گردش تقدیر
ہین سزاوار جفا یاد ہے ہر اک تفصیر
کیا زبان مین ہو اثر اور دعا مین تاثیر
یعنی ہر جرم گذشتہ کی عیان ہے تقدیر

ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ مہین امراء کے مذہبی خیالات سے ہٹ کر عیش پرستی مین مبتلا ہو جانے کو ہی اصل خداوندی سمجھتے ہین -

ان کا دوسرا شہر آشوب مسدس اس شعر سے شروع ہوتا ہے -

پسند خاطر ہر خاص و عام تھی دہلی * طلسم دل کش و جنت مقام تھی دہلی
طرب فزائے جہان صبح شام تھی دہلی * گل خوشی سے معطر تمام تھی دہلی
اجاڑا ایسا چمن جسکے غم سے دل ہے خون * مٹے خزان کی ہوا خاک مین ملے گردون

دہلی کی عمارتون کو یاد کرتے ہین -

عمارتون سے بنا تھا طلسم خانہ مگر * نہ چشم خانہ مین آتی تھی وان سے پھرکے نظر
ہر ایک خشت تھی آئینہ اور گل عنبر * بہشت خانہ تھا ہر خانہ صفا پرور
فلک نے ڈھایا ستم شہر یہ خراب ہوا * عذاب کا بھی فرشتہ یہان پر آب ہوا

پر اہل دہلی کے باکمالون کا ماتم کرتے ہین -

یہان کے لوگ تھے علم وہنر مین سب کامل * یہ وہ تھا ملک کہ تھی اس سے جملہ شے حاصل
حکیم شاعر وعالم و منہدس و عاقل * سب تھے جمع یہ تھا شہر دید کے قابل

پھر مہین آزادی کی فوج کے ساتھ بدمعاشون کے قتل اور لوٹ مار پھر انگریزی سامراج کا بدلہ اور قتل وغارتگری سے جو تباہی مچی اسکی تصویر پیش کرتے ہین -

هر ایک سو ہے یہ غارتگری سے بیگانہ * کہ مثل دیدۂ گریان ہے ہر در خانہ
رلا رہا ہے فرشتون کو بھی یہ افسانہ * نہ وہ ہے گھر نہ محفل نہ شمع و پروانہ
نیا ہے گنج شہیدان بسان خرمن گل * فرشتے نعش یہ اب نالہ کش ہین چون بلبل

پھر مین ان امراء کا حال بیان کرتے ہین جن کے گھرون پر خلقت جمع رہتی تھی اور جن کی سخاوت حاتم کی طرح مشہور تھی لیکن وہ بھی آج محتاج ہین -

وہ لوگ جنکے گھرون پر ہجوم خلقت تھا * اور انکے نام سے زندہ تھا نام حاتم کا
وہ دربدر ہوئے ایسے تباہ اور رسوا * کہین زمین پہ ان کو ملی نہ امن کی جا
فلک کو دیدۂ حسرت سے بھوک مین دیکھا * ہلال چرخ کو سمجھے وہ نان کا ٹکڑا
جو لوگ دیتے تھے زر انکے ہائے پھیلے ہات * رلا رہی ہے اب ایسون کو مفلسی ہیہات
ہزارون جنکے تھے نوکر اکیلے پھرتے ہین * وہ روکے اٹھتے ہین ناطاقتی سے گرتے ہین
خدا کی شان جو رکھتے تھے چوبدار و نقیب * بنایا طائع بکرنے ہے ان کو ایسا غریب
پھیرائے کوچہ رسوائی مین ہے اب تقدیر * ہر ایک در پہ ہے دریوزہ گر امیر و کبیر

غرض کہ مین نے امیر و کبیر کی مفلسی اور گدائی کو ہی نہین دکھایا بلکہ ان کی اولاد کی یہ حالت بھی کہ

بجائے آب ملے اشک رونے کی جا ہے * غذا ہے غم کی شب و روز حال ایسا ہے
نہ شیر خوارون کو ملتا ہے شیر والدہ غضب * زبان پھیرتے معصوم ہین لبون پر اب

وہ لوگ آج دانے دانے کو محتاج ہین یہ ان "ہفت ہزاری" اور "پنج ہزاری" منصبدارون کی اولاد ہے جن کو دودھ کا ایک قطرہ تک میسر نہین ہے - تو عوام کا کیا حال ہوگا - اور اس غارتگری کا صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ انگریز سامراج نے کیا کیا نہ ظلم ڈھائے کہ ایک قطرہ کو لب ترستے ہین -

پدر کے سامنے ہی بیٹے کو قتل ہائے کیا * غم آئے یاد نہ کیونکر جناب اصغر کا
یہ کربلا کا نمونہ دکھاتی ہے دہلی * پدر کو نعش پسر پر رلاتی ہے دہلی

ان اشعار مین مبین نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو مغل شہزادون اور شہزادیون کے سر قلم کرکے انگریز سامراج نے بہادرشاہ ظفر کے سامنے پیش کئے تھے اور یہ حادثہ بھی کربلا کا نمونہ بن گیا تھا - اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مبین نے کس شدت سے ان واقعات کو محسوس کیا اور سب ہی مناسب مثال دیکر دقت اور درد انگریزی مین اضافہ کردیا - مبین نے اپنے ترجیع بند مسدس مین ان واقعات کی طرف اشارے کئے ہین جب کہ انگریزون نے قتل عام کیا اور لوگ سراسیمہ حالت مین ننگے سر اور ننگے پاؤن جان وعزت بچانے کیلئے نکل کھڑے ہوئے - عورتون کو یہ ہوش نہین رہا کہ وہ برقع پہن لین - واقعی وہ منظر قیامت کا رہا ہوگا -

پہلے حشر سے قیامت آگئی * حشر کی سر پر مصیبت آگئی
وہ بلا آئی گئی ہے دل پہ بن * اب نہین ہے ہائے جائے دم زدن
پا برہنہ گھرسے نکلے مرد و زن * لوگ دہلی کے ہین سارے نعرہ زن

اسطرح سے مبین نے سنہ ۱۸۵۷ء کی پوری تاریخی حالات کی تصویر کشی اپنے شہر آشوبون مین کی ہے -

## داغ دہلوی

داغ خود قلعہ دہلی مین پلے اور وہان پر اپنی زندگی کا ایک قیمتی حصہ گزارا - لیکن ان حادثات مین ان کے یہان جو غم اور شدت اور تاثر ہے وہ شاید ہی کسی اور کے یہان ہو - کیونکہ دوسرون کا غم بالواسطہ تھا داغ کا غم ذاتی ہے - اسلئے شدت تاثر ان کے یہان زیادہ ہے - داغ کی زبان اور غزلین جس طرح مشہور ہین ان کا یہ شہر آشوب بھی اتنا ہی مقبول ہے - اس مین بھی ان کی زبان صاف اور لاجواب ہے - اسلئے داغ کا شہر آشوب دہلی کے تمام شہر آشوبون مین ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے - داغ نے دہلی کی تباہی کا ذمہ دار "پوربیون" کو ٹھہرایا ہے اور اس مین کچھ کچھ مذہبی معاملہ بھی لے آئے ہین - "مانا دین اور گنگا دین" کہہ کر انھون نے صاف اشارے

کئے ہین - لیکن انہون نے انگریز سامراج کی بربریت پر نہ کچھ کہا ہے اور نہ شاہی خاندان کے مصائب پر ہی - البتہ نازون کے پلے لوگون پر خون کے آنسو بہائے ہین -

فلک زمین و ملائک جناب تھی دھلی * بہشت و خلد مین بھی انتخاب تھی دھلی
جواب کاھیکو تھا لاجواب تھی دھلی * مگر خیال سے دیکھا تو خواب تھی دھلی
پڑی ہین آنکھین وہان جوجگہ تھی نرگس کی * خبر نہین کہ اسے کھا گئی نظر کس کی

پھر دھلی کی عظمت اور شوکت کو بیان کرتے ہین کہ دھلی کی کیا حیثیت تھی -

یہ شہر وہ ہے کہ ہر انس و جان کا دل تھا * یہ شہر وہ ہے کہ ہر قدردان کا دل تھا
یہ شہر وہ ہے کہ ہندوستان کا دل تھا * یہ شہر وہ ہے کہ سارے جہان کا دل تھا

میرٹھ سے جو فوج انگریزی اقتدار کو ختم کرنے چلی تھی اس کے مطابق داغ کا رویہ یک طرفہ ہے اور انہون نے بڑی حقارت سے اس فساد کی بنیاد "پوربیون" کو ٹھرایا ہے -

غضب مین آئی رعیت بلا مین شہر آیا * یہ پوربی نہین آئے خدا کا قہر آیا
زبان سے کہتے ہوئے دین دین آئے یہین * جو مانا دین تھا کوئی تو کوئی گنگا دین
یہ جانتے ہی نہ تھے چیزکا ہے دین تئین * کئے ہین قتل زن و بچہ کیسے کیسے حسین
روا نہ تھا کسی مذہب مین جو وہ کام کیا * غرض وہ کام کیا کام ہی تمام کیا

"پوربی" فوج کی طرف داغ کی نفرت اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ

جگہ جگہ تھے زمیندار دار کی صورت * چڑھے ہی آتے تھے سر پر بخار کی صورت
بلا سے کم نہ تھی رک رک گنوار کی صورت * چھپی نہ ان سے پر اھل دیار کی صورت
کسی جگہ جوکوئی ہوکے بیقرار آیا * تو اھل قریہ یہ بولے کہ لو شکار آیا

عوام بدمعاشون کے ہاتھون کسطرح ستائے گئے اور یہ نجات دہندہ فوج کے ساتھ کسطرح عذاب دینے والے چور غنڈے شامل ہوگئے کہ دھلی والے انکی

حرکتون سے موت کو ترجیح دینے لگے -

زبان بدلین تو صورت بدل نہین آتی * ملین جو خاک بھی منہ پر تو مل نہین آتی
کسی طرح کسی پہلو سے کل نہین آتی * پکارتے ہین اجل کو اجل نہین آتی
جو سر کو پھوڑین تو پتھر پر سر سرکتے ہین * جو لوٹین کانٹون پہ کانٹے الگ کھسکتے ہین

دھلی کے حسین ادا اور خوش جمال معشوقون کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ

جلین ہین دھوپ مین شکلین جو ماہتاب کی تھین
کھچی ہین کانٹون پہ جو پتیان گلاب کی تھین

بنا ہے خال سیہ رنگ مہ جالون کا
روتا ہوا ہے قدر است نو نہالون کا
جو زور آہون کا لب نوشور نالون کا
عجیب حال دگرگون ہے دلی والون کا

اور آخری بند مین وہ دھلی کی خزان کو بہار مین تبدیل کرنے کی خواہش کا اظہار خدا سے کرتے ہین اور خوشحالی کے دروازے کھولنے کی آرزومند ہین -

داغ کا یہ مشہور شہر آشوب ہے جس کے متعلق علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ

نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر * داغ رویا خون کے آنسو جہان آباد پر

## مرزا قربان علی بیگ خان سالک

سالک غالب کے شاگرد تھے - ان کا شہر آشوب بھی مسدس کے نام مین ہے - اس شہر آشوب مین بھی دوسرون کی طرح عام تباہی دھلی کی عظمت مکانون اور عورتون کی شان و شوکت کا بیان ہے جب لوگ جان بچانے کیلئے بھاگتے ہین اس وقت کی کسمپرس کو بہت ہی دلدوز انداز مین پیش کیا ہے - یہ زیادہ تر دھلی کی عظمت رفتہ کا مرثیہ ہے -

جہان ہین شہر مین جتنے جہان جہان آباد * بس ان بلاد مین تھا منتخب جہان آباد
ہر اک مکان یہان کاتھا اک مکان سرور * ہرایک کوچہ یہان کاتھا اک جہان مسرور

اس کے بعد سالک عوام کی حالت زار کو پیش کرتے ہین - اس تباہی مین عوام کا یہ حال تھا کہ

کسی کے لب پہ ہے نالہ کسی کی چشم ہے تر * کسی کا چاک گریبان ہے اور کوئی مضطر
کسی کا ہاتھ ہے دل پر کوئی ہے تھامے جگر * غرض کہ رنج سے خالی نہین ہے کوئی بشر

اور پھر اس رنج سے چھٹکارہ حاصل کرنے کیلئے عوام جب بھاگ کر کہین پناہ مانگتے ہین تو وہ جگہ ان کے لئے جائے قضا بن جاتی تھی اور انہین دربدر کی ٹھوکرین نصیب ہوئین -

سمجھ کے اپنا ٹھکانا جہان گئے ہم لوگ * ذلیل یان سے زیادہ ہوئے وہان ہم لوگ
بنے ہین طائر گم گشتہ آشیان ہم لوگ * پھرے ہین امن کے طالب کہان کہان ہملوگ
جو تشنہ لب ہو تو آب دم سنان موجود * جو گرسنہ ہون تو کھانے کو گولیان موجود

دھلی مین جو لوگ بے جرم و خطا قتل ہوئے تھے ان کے متعلق سالک کہتے ہین کہ اصل مین دھلی والے اسقدر مشہور تھے کہ خدا کو بھی پسند تھے اور وہ دھلی والون سے جنت کو آباد کرنا چاھتا تھا اسی لئے تو ان کو وھان سے اٹھواکر اپنے پاس بلا لیا -

ہوئے ہین قتل جو بے جرم لوگ دھلی کے * بہشت چاھئے پہلے انہین قیامت سے
کیا جناب الہی مین عرض رضوان نے * کہ آجکل در فردوس کس طرح سے کھلے
ملا جواب کہ دھلی کو لاؤ اٹھواکر * اور اس گروہ کو اسمین بساؤ لے جاکر

دھلی کی ان عورتون کے بارے مین جن کی آواز تک کسی نے نہین سنی تھی - جنھون نے پیدل چلنا کبھی گوارا نہین کیا - جو کبھی غصہ کی حدود کو پار نہ کرسکین لیکن آج ان کی یہ حالت تھی کہ

لکھون مین پردہ نشینون کا حال کیا ھے ھے * بیان مجھسے ھو کیونکر یہ ماجرا ھے ھے
نہ آئی جن کی کبھی در تلک صدا ھے ھے * نکل کے گھر سے چلی ھین پیادہ پا ھے ھے
کبھی نہ غصے مین بھی جامہ سے جو باھر ھون * غضب یہ کہ وہ یون بے ردا و چادر ھون

پھر جامع مسجد اور ملحقہ بازار کی رونق کی یاد آجاتی ھے تو دل بھر آتا ھے۔

ھجوم مسجد جامع کا کیا کرون اظہار * صف ملائکہ ھوتی جہان نماز گزار
نماز ھے نہ اذان ھے نہ کوئی جاتا ھے * جب اسکو دیکھئے خالی توجی بھر آتا ھے

اخر مین سالک دعا کے بجائے امید کی لہر پر شہر آشوب کو ختم کردیتے ھین۔

حکیم محمد تقی خان سوزان

سوزان کا ایک شہر آشوب مسدس کے نام سے ھے اور ایک قطعہ ۔ اس مین کوئی خاص بات نہین ھے اور نہ زبان و بیان کا ھی لطف ھے بلکہ یہ سپاٹ اور پھیکا ھے ۔ لیکن اس کی خصوصیت یہ ھے کہ اس مین سنہ ۱۸۵۷ء کے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ھے اور میرٹھ سے فوج کی آمد ۔ انگریزون کا قتل لوٹ مار ان کی تلاش غنڈون کا فوج مین شامل ھو جانا یہ سب جزیات موجود ھین ۔

ھر ایک گھر مین یہ شور و بکا ھے دھلی کا * فغان کے نام و نشان کیا مٹا ھے دھلی کا
پھر اھل کمال کس طرح سے دھلی مین آئے اور یہان فیضیاب ھوتے تھے ان کی حقیقی تصویر کشی کی ھے

غریب پرور و کانِ کمال تھا یہ مقام * عدیل اسکا نہ تھا جانتے ھین خاص و عام
بر آتی آرزو اسکی جو آتے یان ناکام * یہان سے نام وہ پاتے جو ھوتے تھے گمنام
سند جہان کو تھی اعلی مقام سے اسکے * یہ اعتبار تھا حاکم کو نام سے اس کے

پھر فوج کی انگریزون سے بغاوت کارتوس نہ کاٹنا اور انگریزون افسرون کا قتل

یہ سرکشی ہوئی میرٹھ کی فوج مین جسدم * نہ کارتوس کو کاٹا ہوئے قصے جو برہم
یہان وہ آئے تو آیا تھا سبکی نام مین دم * جو افسر انکے تھے پہلے کیا سر انکا قلم

ظہیر دہلوی نے "داستان غدر" مین اوباشون اور غنڈون کے متعلق جو لکھا ہے اسکا ثبوت ملتا ہے -

مگر یہ شرط ہے کچھ آئے گر ہمارے ہاتھ * برائے نام نکالی یہ لوٹنے کی بات
جو اونچا گھر کوئی تکتے تو اس پہ چڑھ جاتے * فرنگی اس مین ہے یہ کہہ کے گھر وہ لٹواتے

سوزان کا رویہ میرٹھی فوج کی طرف اچھا نہین ہے سوزان اس بغاوت کو چند اوباشون اور مفسدون کا نتیجہ قرار دیتے ہین جنھون نے اپنے افسرون کے حکم کو نہین مانا اور لوٹتے چلے گئے

ظہیر دہلوی

ظہیر الدین نام تھا ذوق کے شاگرد تھے قلعہ کے متوسلین بھی سے نکلے - انھون نے عینی شاہد کی حیثیت سے سنہ ۱۸۵۷ء کے سانحہ کو "داستان غدر" کے نام سے لکھا ہے - ظہیر، بادشاہ ظفر کو بے قصور سمجھتے ہین - اور اس کے ثبوت مین ظفر کی ایک تقریر بھی اپنی کتاب مین دی ہے - ظہیر کا شہرآشوب بھی بہت جاندار ہے اور شاہی ملازمون کی نمائندگی کرتا ہے - ظہیر نے جہان جہان دہلی کی عظمت اور شان و شوکت کو دکھایا ہے وہ حصہ بہت جاندار ہوگیا ہے - اس کے بعض حصے داغ کے شہرآشوب کے مماثل ہین - آخر مین ظہیر اپنے نئے آقا انگریز حاکم کی مدح سرائی بھی کرتے ہوئے نظر آتے ہین - ان کا یہ شہر آشوب اصل مین "داستان غدر" کی ایک منظوم شکل ہے -

ظہیر بھی اپنے ہمعصرون کی دہلی کی عظمت و شوکت سے مسدس شہرآشوب کی ابتدا کرتے ہین

فرشتہ مسکن و جنت نشان تھی دھلی * زمین کے پردے مین اک آسمان تھی دھلی
جہان آباد لقب تھا نہ نمونشان کیلئے * جہان کا لفظ بنا تھا اسی مکان کے لئے

دھلی کے محلون اور در و دیوار کی ایک ایک اینٹ مٹی مین مل گئی اب وہ "نگارخانہ چین" کھنڈر بن گیا۔

نقوش پیکر اژرنگ کے در و دیوار * نگارخانۂ چنین تھے کوچہ و بازار
مکان مکان سے ہویدا تھا جوش فصل بہار * بنا محلہ محلہ تھا غیرت گلزار

لیکن ظہیر کے نظرئے ان سب کو تباہ کرنے والے پوربی "ملنگان پر جفا" ہین۔ اس پر وہ افسوس کرتے ہین۔

دل جہان تھا دلی سے مدعا ہے ہے * نہ سمجھے دل مین تلنگان پرجفا ہے ہے
ڈول کو بولتے ہین خانہ خدا ہے ہے * خدا کے گھر کو بگاڑا ستم کیا ہے ہے
ہین جہان مین واللہ اس جفا کی پناہ * جو انتقام ہو اس کا نویس خدا کی پناہ

ظہیر دھلی کو خدا کا گھر سمجھتے ہین اور اس کی تباہی پر آٹھ آٹھ آنسو روتے ہین۔ گھر گھر آہ و بکا کا منظر انہین بے چین کئے دیتا ہے۔

گلی گلی سے یہ آتی صدائے واویلا * زمین زمین سے ہے اٹھتی نوائے وادروا
دکان دکان سے گھر گھر سے حشر ہے پیدا * مکان مکان سے اٹھا غلغلہ ہے شیون کا
ہوئی جو شام تو شامت زدون کی شامت ہے * نمود صبح قیامت پہ اک قیامت ہے
بلا بلا بہ مصیبت پہ اک مصیبت ہے * گھڑی گھڑی ہے غضب نحطہ نحطہ آفت ہے
ترے ستم سے کہان بچ کے پر جفا جائین * زمین شق ہو تو اے چرخ ہم سما جائین

یہ ظلم وستم صرف میرٹھ سے آئی ہوئی فوجون نے ڈھایا یا انگریزون سے اس کا کوئی واضح اشارہ نہین ملتا۔ لیکن جو زاویہ نظر ظہیر کا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ "پوربی" ظلم و ستم پر واویلا مچاتے ہین اور انگریزون کے قتل عام کو خاموشی سے پی جاتے ہین۔

ہر ایک رونق بزم جہان قتل ہوا * ہر ایک قبلۂ ہر خاندان قتل ہوا
ہر ایک طوطئی شیرین زبان قتل ہوا * ہر ایک بلبل نوشین بیان قتل ہوا
گھرون سے کھینچ کے کشتون پہ پشتے ڈالے ہین
نہ گور ہے نہ کفن ہے نہ روئے والے ہین

یہ اشعار یقینن انگریز سامراج کی تباہی کی طرف اشارہ کرتے ہین کیونکہ میرٹھی افواج نے صرف انگریزون کو قتل کیا اور غنڈون نے ہزرین دہلی کو لوٹا اور پریشان کیا لیکن یہ تجارت پیشہ قوم نے دہلی کے ایک ایک باکمال کو قتل کیا خاندان کے خاندان موت کے گھاٹ اتار دئے - جہان کہین بھی کسی پر سنہ ۱۸۵۷ء کی لڑائی مین حصہ لینے کا شبہہ ہوا اس کو گولی ماردی -

کہان گلشن اقبال پائمال ہوئے * گل ریاض خلافت ہوئین لال ہوئے
یہ کیا زوال ہوئے ادا کیا کمال ہوئے * کمال کو بھی نہ پہنچے تھے جو زوال ہوئے
جو عصر گل کا نہ ملنے ملے وہ مٹی مین * جو فرش گل پہ نہ چلتے ملے وہ مٹی مین

ظہیر چونکہ قلعہ سے وابستہ تھے اور انہین شاہی خاندان کی تباہی پر جو رنج ہے وہ ان کا ذاتی ہے اور جہان جہان ایسے مقامات آئے ہین وہ اشعار دردمند ہوگئے ہین - اوپر بہادرشاہ ظفر کو وہ خود اپنی کتاب "داستان غدر" مین بے گناہ ثابت کرچکے ہین اسلئے بہادرشاہ کی جو حالت انگریزون سے تباہی کیلئے بھی ظہیر "باغی فوج" کو ذمہ دار قرار دیتے ہین -

کہان وہ خسرو عالی نظر بہادر شاہ * کہان وہ سرور نیکو سیر بہادرشاہ
کہان وہ بادشہ دادگر بہادرشاہ * کہان وہ داور والا گہر بہادرشاہ
کہان سے باغیٔ بے دین آگئے ہے ہے * کہ نام اسکا جہان سے مٹا گئے ہے ہے

یہ وہی ظہیر دہلوی ہین جن کی زندگی کا مدار بہادرشاہ کی ذات تھی اور قلعہ معلی اسی سے ذاتی رنج وغم کے بیان ہین زور پیدا ہوگیا ہے لیکن ظہیر کا شہرآشوب انگریز سامراج کے حاکم کسی مدح پر ختم ہوتا ہے - ابھی ان کے ظلم وستم

کا غلغلہ ختم بھی نہ ہونے پایا تھا ابھی خون سوکھنے بھی نہ پایا تھا کہ ظہیر انگریزون کی خوشامد کرنے لگے - وہ یہ دیکھ چکے تھے کہ اب بہادر شاہ ظفر تو ختم ہوگئے اور زندگی کا سہارا سوائے انگریز کے اور کوئی نہین ہے شاید کوئی وظیفہ مل جائے - اسلئے سامراجی آقا کی مدح مین زمین و آسمان کے قلابے ملا دئے اور اس کو بھی مغل شہنشاہ کے مخصوص القاب سے یاد کرتے ہین -

ہزار لشکر کہ دوران دور کوپھر ہے * زمانہ عید مین اسکے ترقیون پر ہے
وہ آسمان کرم کا مہ منور ہے * سخی و سرور و ذی جاہ و دادگستر ہے
اگر نہین تو نہ ہو بندگی وہ خاوندی * اسے درست تو ہے نیست خداوندی

محمد علی تشنہ

تشنہ ذوق کے شاگرد تھے - ان کے شہر آشوب مین اقتصادی اور تاریخی عنصر کم ہے - اسکے بجائے سماجی اور تمدنی عنصر زیادہ ہے - وہ خود شعر و سخن کے پرستار تھے اسلئے شعر و سخن کے پرستارون کا ماتم کرتے ہین - اور گذشتہ عیش و نشاط کا غم اسکے ملسوا ہے -

عجیب کوچہ رشک جنان تھا دھلی کا * بہشت کہتے ہین جسکو مکان تھا دھلی کا
ہزارون زلف پری دش کے یان تھے سودائی * ہزارون میکش و میخوار دست صہبائی
قبول کرتے تھے اس در کی سب جبہ سائی * شراب تورب عیش پلانا تھا چرخ مینائی
ہر ایک شخص کے حق مین یہ شہر اچھا تھا * مریض عشق کے بھی واسطے مسیحی تھا
کسی کا دل نہین اس دور مین ٹھکانے سے * رہا نہ گانے سے شوق اور نے بجانے سے
غرض نہ غیر سے مطلب نہ ہے یگانے سے * وفا دھر تلک اٹھ گئے زمانے سے
کہان سے لائین وہ پہلی سی اب اداشوق * اسی سبب سے ہین مشہور بے وفا معشوق

تشنہ کو یہ غم ستا رہا ہے کہ دھلی تو تباہ ہوگئی اس کی تہذیب کا بھی نام و نشان نہ رہا اور اس مین سارے سخن فہم بھی ختم ہوگئے کوئی شعر سننے اور

سنانے والا نہ رہا -

یہ شہر کہتے ہین اور لوگون کو سناتے ہین * وہ بیٹھے رہتے ہین آتے ہین اورنہ جاتے ہین
جو قدر دان نہین اپنا کسی کو پاتے ہین * تو دلھی دلمین وہ خون جگر کو کھاتے ہین
غزل کا ذکر نہ چرچا کسی یگانے سے * مذاق شعر و سخن اٹھ گیا زمانے سے

## حکیم آغا جان عیش دھلوی

عیش نے دو شہر آشوب لکھے - ایک مسدس اور ایک قطعہ - عیش کے شہر آشوب مین اقتصادی اور سیاسی عنصر کی بہت کمی ہے بلکہ یہان سب سے زیادہ ماتم جہان آباد کے اہل کمال اور دھلی کی شائستگی نفاست شرافت اور کوچہ و بازار کی رونق عمارتون کا حسن ان تمام کا بیان نہایت ہی اچھے پیرایہ مین ادا کیا ہے - دونون کا موضوع تقریباً ایک ہے - اور وہ دھلوی تہذیب و تمدن کے عاشق معلوم ہوتے ہین -

عیش کے شہر آشوب مین کوئی خاص بات ہے اور نہ کوئی ندرت بلکہ یہ سپاٹ اور پھیکا ہے اور جا بہ جا اپنے پیشے کی مناسبت سے "حکیمانہ" اصطلاحین استعمال کی ہین -

مسدس شہر آشوب ——

عجیب طرح کی باغ و بہار تھی دھلی * جہان مین غیرت صد لالہ زار تھی دھلی
عجیب طرح کے تھے اسکے کوچہ و بازار * ہنسے تھا آئینہ پراس کا ہر در و دیوار
عمارتین تھین وہان کیسی کیسی شانون کی * بیان کیجئے کیا خوبی ان مکانون کی

عمارتون اور دھلی کی تعریف و مدح کے بعد اہل کمال کی تعریف کرتے ہین -

وہان کا مجمع اہل کمال و اہل ہنر * وحید عصر تھا وان کا ہر ایک فرد بشر
رکھے تھے ہمت عالی ہر اک بلند اختر * کسی کو فیض ہو تھا انکو یہ ہی مد نظر
وحید عصر تھے جو اہل علم و فضل و کمال * جہان مین دولت جوہر سے تھے وہ مالا مال
وہان جتنے ہوئے ذوالاقتدار تھے جوجو * یگانہ و شرف روزگار تھے جوجو

تھے
یہین و صاحب عز و وقار تھے جوجو * زمین پہ باعث صد افتخار تھے جوجو

حکیمانہ اصطلاحین ذرا دیکھئے -

مریض غم کیلئے خانہ شفاء تھی وہ * جہان مین درد دل و جان کی دوا تھی وہ
جو خاک بھی تھی وہان کی توکیمیاتھی وہ * بھلا مین کیا کہون تم سے کہ چیز کیاتھی وہ

مختلف باغات اور باغون کا بیان ضرور ہے لیکن منظرکشی بہت ہی معمولی ہے -

تھے وہ جن باغون مین اقسام کے میوے پرنور * ناشپاتی وہی سیب دانا اور انگور
یا اپنی باغون مین ہین چارطرف خاک کے ڈھیر * اور گل وغنچہ کی جاہین خس وخاشاک کے ڈھیر

قاضی فضل حسین خان افسردہ

یہ مسدس طرز مناجات ہے خود "فغان دہلی" مین اس کا عنوان "نوحہ گری و مویہ سرائی در پردہ مناجات" لکھا ہے -

اس شہر آشوب مین زبان بھی بہت سادہ اور سلیس ہے لیکن جذبات کی شدت مین کوئی کمی نہین ہے اور تاریخی واقعات کی طرف اشارے بہت ہی کم ہین - ہر بند کے آخری مین دہلی کی بہار کیلئے دعا مانگی گئی ہے -

ہائے کیا دہلی پہ آفت آگئی * چین سے بیٹھے تھے شامت آگئی
سر پہ عالم کے مصیبت آگئی * فوج کیا آئی قیامت آگئی
وقت تنگ آمد ترحم یا رحیم * لطف کن بر درد مندان سقیم

ذی حیثیت لوگون کی حالت کو سلیس انداز مین موثر طریقے سے پیش کیا ہے -

بانٹتے تھے رات دن جو سیم و زر * پھینکتے تھے کوڑیون کی جاگہر
مانگتے پھرتے ہین اب وہ دربدر * رکھتے ہین جائے لل داغ جگر
بن کو گھر بیٹھے تماشے تھے ہزار * پھرتے ہین وہ دربدر رسواء و خوار

داغ غم سینے پہ کھائے بیٹھے ہین * تھا جو سرمایہ لٹائے بیٹھے ہین
فکر مین سر کو جھکائے بیٹھے ہین * ہاتھ دنیا سے اٹھائے بیٹھے ہین
رحم کن بر بیکسان اے داد رس * آہ از دل بر لب آید ہر نفس

آخر مین افسردہ ان اشعار پر اپنا موثر اور جذبات درد کے بھرپور شہر آشوب کا خاتمہ کرتے ہین -

مجھ سا دنیا مین نہین اندوھگین * شغل کوئی مجھ کو جز ماتم نہین
جان سنگین رکھ تا ہون مین دل نہین * ورنہ مرجاتا تڑپ کر بالیقین
یا الہی لطف کن بر حال ما * رحمت خود بین مبین اعمال ما

مفتی صدرالدین آزردہ

مفتی آزردہ دھلی کے مشہور عالم تھے اور شعر و سخن کے دلدادہ تھے ان کی محفلون مین دھلی کے تمام اھل کمال جمع ہوتے تھے - مفتی صاحب کا تعلق قلعہ معلی سے بھی خاصا رہا ہے اور وہ تمام نشیب و فراز جانتے تھے جو اس وقت رونما ہو رہے تھے - لیکن ہمین تعجب ہوتا ہے کہ مفتی صاحب اپنے شہرآشوب کی ابتدا ہی مین دھلی کی تباھی کی ذمہ داری قلعہ پر ڈالتے ہین اس سے ان کے نظریہ غدر کے متعلق ایک بات صاف ہوجاتی ہے -

آفت اس شہر پہ قلعہ کی بدولت آئی * وان کے اعمال سے دھلی کی بھی شامت آئی
روز موعود سے پہلے ھی قیامت آئی * کالے میرٹھ سے یہ کیا آئے کہ آفت آئی
گوش زد تھا جو فسانون سے وہ آنکھون دیکھا * جو سنا کرتے تھے کانون سے وہ آنکھون دیکھ

مفتی صاحب سے یہ توقع تھی کہ وہ تاریخی ادبی اور تہذیبی زندگی کے بہترین اور موثر عکاسی کرینگے لیکن ہمین مایوسی ہوتی ہے - مفتی صاحب نے صرف ان لوگون کا ماتم کیا ہے جو نعمتون کی گود مین پلے لیکن میرٹھ کی فوج آنے کے بعد ان پر تباھی اور مصیبت کا دور شروع ہوا - مفتی صاحب صرف باعزت اور

صاحب اقتدار طبقے کی تباہی اور بربادی کا ماتم کرتے ہوئے نظر آتے ہین -

وہ دہلی کی پردہ نشین خواتین کا بہت ہی دکھ بھرے انداز مین ذکر کرتے ہین -

زیور الماس کا سب جن سے نہ پہنا جاتا * بھاری جھومر بھی کبھی سر پہ نہ رکھا جاتا
گاج کا جن سے ڈوپٹہ نہ سنبھالا جاتا * لاکھ حکمت سے اوڑھاتے تو نہ اوڑھا جاتا
سر پہ وہ بوجھ لئے چار طرف پھرتی ہین * دو قدم چلتی ہین مشکل سے تو پھر گرتی ہین
طبع جو گہنے سے پھولون کی اذیت پائی * مہندی ہاتھون مین لگا سوتی تو کیا گھبرائی
شام سے صبح تلک نیند نہ اس کو آتی * ایک سلوٹ بھی بچھونے مین اگر پڑجاتی
ان کو تکیہ کے بھی قابل نہ خدا نے رکھا * سنگ پہلو سے اٹھایا تو سرہانے رکھا
جن کو بن دوش پرستار نہ چلتے دیکھا * پاؤن دابے پہ بھی کروٹ نہ بدلتے دیکھا
وہ ہین اور دشت ہین اور کوہ ہین اور نالے ہین * قدم اٹھتا نہین پاؤن مین پڑے چھالے ہین

مفتی صاحب نے دہلی کے جس طبقے کی تصویرین کھینچی ہین وہ واقعی اس قابل ہین کہ ان پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے - اس عکاسی مین انھون نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ پہلے دو شعرون مین ماضی کی تصویر دکھائین اور تیسرے شعر مین حال کا درد بیان کرین -

عطر صندل مین جو دامن کو بسایا کرتے * ننھے موتی کے گریبان مین لگایا کرتے
بیٹھ خلوت مین وہ زلفون کو بنایا کرتے * یہ سنگار آئینہ کو بھی دکھایا کرتے
اب نہین کچھ بھی انھین زلف پریشان کی خبر * نہ گریبان کی خبر اور نہ دامان کی خبر

یہان تک تو خواتین اور دوشیزاؤن کا بیان اور ان کی بہترین عکاسی کی ہے اس کے بعد نوجوانون کی طرف اپنے قلم کا رخ موڑ دیتے ہین تو الفاظ مین جان پیدا ہو جاتی ہے اور وہ چلتے پھرتے سامنے آجاتے ہین -

روز بن ٹھن کے نکلنا وہ جوانون کا کہان * بیٹھنا ناز و ادا سے وہ دوکانون کا کہان
شور ہر کوچے سے پٹون کی وہ تالون کا کہان * لطف ساقی کا مزہ اور وہ گانون کا کہان

جن کے ہاتھون سے نہ لین بیربھی دوگوڑی کے * چاندنی چوک مین پھرتے ہین ،

آخر مین مفتر آزردہ اپنے دوستون کی جدائی کا شدت سے ماتم کرتے ہین
ہے کہ جب دوست بچھڑ جائے تو اس کی جدائی کا احساس ہوتا ہے جب جا
وہ اچانک ہنگامون مین مارا جائے -

روز وحشت مجھے صحرا کی طرف لاتی ہے * سرہے اورجوش جنون ننگ ہے اورچھا
ٹکڑے ہوتاہے جگر جی ہی پہ بن آتی ہے * مصطفے خان کی ملاقات جو یاد آتی
کیونکہ آزردہ نکل جائے نہ سودائی ہو * قتل اسطرح سے بے جرم جو صہبائی

سنہ ۱۸۵۷ء کے حادثہ مین شیفتہ جیسا شاعر اور امام بخش صہبائی جیسا عالم
بھی مارے گئے اور یہ دونون آزردہ کے عزیز دوست تھے ان کا ماتم بڑا راقت ا
ہے -

آزردہ چونکہ مذہبی آدمی تھے اسلئے سنہ ۱۸۵۷ء کے اسباب اور ہندوس
فوج کی شکست پر غور کرنے کے بجائے انھون نے اس لڑائی کو ایک عذاب
جانا اور میرٹھ سے جو فوج آئی اس کو قہر خداوندی سمجھا اور اس قہر کو
قلعہ ہلی کی بد اعمالی کا نتیجہ قرار دیا لیکن مجموعی حیثیت سے یہ شہرآشوب
شدت غم سے پر ہے -

## شہر آشوب حسن

حسن کا شہرآشوب پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی شخص
خواب مین اپنے ماضی کے سنہرے دور کو دیکھ رہا ہو دہلی کے اور شہرآشوبون
کے مقابلے مین حسن کا شہرآشوب دہلی کی تہذیب رہن سہن شائستگی
اور دہلی کی زیب و زینت کا بہترین مرقع پیش کرتا ہے -

حسن کے شہرآشوب کو پڑھتے ہوئے یہ محسوس ہوتا ہے کہ دہلی تباہ
ہونے پر بھی اپنے اندر ایک عجیب وغریب حسن و جمال رکھتی ہے اگر اسکی خزان

یہ ہے تو پھر بہار کا کیا عالم ہوگا۔ محسن نے سنہ ۱۸۵۷ء کے پہلے کی تہذیبی تمدنی زندگی کو پیش کرنے مین تمام جزئیات اور تخیل سے کام لیا ہے اور اس مین انھین خاص کامیابی ہوئی ہے۔ لیکن اسوقت دہلی کی معاشرت عیش و نشاط اور شراب و شعر مین ڈوبی ہوئی تھی ملک مین کیا ہورہا ہے اس سے کسی کو غرض نہین کیا ہوگا اس کی کسی کو پروا نہین صرف یہ خیال پیش نظر رہتا تھا کہ کیا ہین۔ اور یہ کیا ہین کہ انھین لے ڈوبا۔

محسن کی نظر مین دہلی کی حیثیت ایک عشق آباد کی سی ہے اور اسی زاویہ نظر سے انھون نے دہلی کو دیکھا ہے اور اسی طرح پیش کیا ہے۔

محسن شہر آشوب کی ابتدا عظمت دہلی سے شروع کرتے ہین۔

دیار ہند مین یہ تخت گاہ تھی دہلی * ثریا جاہ و فلک بارگاہ تھی دہلی
تمام شہر کی پشت و پناہ تھی دہلی * گناہگار ہون بے گناہ تھی دہلی
یہ انقلاب زمانے سے ہوگئی برباد * اکھڑ کے جھک گئی اب اسکی بیخ و بنیاد
وہ لال قلعہ جسے کوہ طور کہتے تھے * قضا کو جس کے فضائے قصور کہتے تھے
وہ نازنین جنھین رشک حور کہتے تھے * وہ شاہزادے جنھین سب حضور کہتے تھے
رہا نہ کوئی حسین اور نہ کوئی وارث تخت * مٹانے تخت کو آیا تھا بخت خان کمبخت

محسن نے قلعہ کو جس طرح کوہ طور کہہ کر پیش کیا ہے اسی سے ان کی محبت اور وابستگی کا اندازہ ہوتا ہے اور وہ شاہزادے جنھین کل تک سب "حضور حضور" کہہ کر پکارتے تھے لیکن آج وہ سب منون مٹی کے نیچے دبے پڑے ہین اور تخت کا کوئی وارث نہین ہے۔

وہ لال پردہ کہ بس پردہ پوشی عالم تھا * وہ گویا پردۂ پرنور چشم آدم تھا
وہ مجرا گاہ سلاطین و حاتم و جم تھا * وہ سجدہ گاہ نریمان و زال و رستم تھا
تمام کھوتے پھرتے ہین اس جگہ مزدور * ظہور اس کا ہوا جو خدا کو تھا منظور

آج لال قلعہ کا یہ عالم ہے کہ مزدور اس کو جگہ جگہ سے کھود کر کھنڈر مین

تبدیل کر رہے ہین لیکن کل تک زال اور رستم کی یہ سجدہ گاہ تھی اور تمام بادشاہ یہان اپنے سر کو جھکاتے تھے لیکن خدا کو یہی منظور تھا کہ اسکی بنیاد ہی اکھڑ جائے -

وہ تو محلہ کہ تھا رشک کوچۂ بازار * طواف کرتی تھی ہر صبح جسکا باد بہار
ہر ایک مکان مصفا تھا صورت گلزار * بنا تھا کوچہ ہر اک اس کا مصر کا بازار
وہ جنگی ڈیوڑھی تھی رشک وادیٔ ایمن * کہ شمع طور تھی ہراک وہان کی شمع لگن
مہک رہی تھی وہ پھولون سے صورت گلشن * سجی ہوئی تھی حسینون سے مثل صحن چمن
ہوئی ہے ڈیوڑھی بنیاد کی بھی یہ برباد * کہ گویا پھینک دی اسکی اکھاڑ کر بنیاد
نشان بھی نہ رہا اسکا اب کسی کو یاد * ہر ایک دیکھ کے اب اسکو کرتا ہے فریاد

نو محلہ ، جنگی ڈیوڑھی ، چاندنی چوک اور اس کے رونق مصفا بازار یہ سب کے سب اچانک غائب ہوگئے -

دہلی کی دوشیزائین ان کی شوخیان اور ان کا مچل مچل کر چلنا اپنی ادائین دکھانا سب کچھ خواب بن گیا ہے -

وہ لال جوڑے پہن کر کوئی نکلتے تھے * وہ بانکپن سے اٹھا پائنچون کو چلتے تھے
وہ ہاتھ پاؤن مین مہندی کو اپنے ملتے تھے * وہ بات بات مین انداز سے مچلتے تھے
دکھانا ان کا تبسم سے وہ لب اعجاز * سنانی ان کو وہ شوخی سے نازکی آواز
مچل مچل کے دکھانا وہ انکا عشوہ و ناز * نئی ادا سے دکھانا وہ چال کا انداز
یہ انکا ہوگیا ہے اب تباہی سے احوال * کہ ساری بھول گئی اپنی وہ ادا کی چال

محسن نے دہلی کے جو حسن مرقع پیش کئے ہین وہ ایک دلفریب سمان باندھ دیتے ہین اور جہان جہان منظرکشی کی ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب ہماری آنکھون کے سامنے ہو رہا ہے اور ہم ایک فلم دیکھ رہے ہین جس مین دہلی کا ماضی اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ جلوہ گر ہے اور دیکھنے والون کی آنکھین چکا چوند ہو رہی ہین -

بنے ہوئے تھے وہ چوپڑ کے چوک مین بازار * کہ جیسے چار چمن ہون بہ سطحۂ گلزار
ہر ایک دیدۂ آئینہ روشن و ہموار * خجل تھا جن سے خط عارضان گل وخسار
اور اسمین حوض تھا اک مثل چشمۂ کوثر * بجائے آب وہ لبریز نور سے یکسر
صفائے آب سے شرمندہ اسکی تھی نیسان * لبون کو چاہتے تھے پانی پی کے حور و شان
وہ موجین اسکی لطافت مین مثل کاکل حور* حبات اس کے نمایان بہ شکل قبۂ نور

ان تمام موقعون کے بعد محسن ہمین جامع مسجد لے چلتے ہین اور ہمارے کانون مین مختلف صدائین آتی ہین -

سناتے پھرتے تھے سقے کٹورون کی جھنکار * وہ گل فروشون کے پھولون کے ٹوکرون کی بہار
وہ سودا بیچتے تھے لوگ وان پکار پکار * وہ پھرنا خوانچہ والون کا وان قطار قطار
رکھا تھا دہلی کا لوگون نے نام عشق آباد * بسان خانۂ عاشق وہ ہوگئی برباد
جو ناف شہر مین واقع تھی مسجد جامع * وہ حسن وسعت و رفعت مین گویا تھی جامع
بسان برج حمل اس کے برج تھے لامع * مئو ذنون کے فرشتے وہان رہے سامع
نمازی دیکھ کے ہر صبح اس کو روتے ہین * مدام چہرون کو اشکون سے اپنے دھوتے ہین

کون ایسا شخص ہوگا جو ان حسین مرقعون کے مٹ جانے پر ماتم نہین کریگا - محسن نے جہان جہان بھی دہلی کے ماضی کی جھلکیان دکھائی ہین وہ ہمین متحرک اور جاندار نظر آتی ہین - محسن نے اس طبقے کی عکاسی بھی کی ہے جو اس دور مین شرفاء کیلئے مجلسی زندگی کا ایک لازمی جز تھا اور وہ آداب و تہذیب کا مرکز سمجھا جاتا تھا جہان موسیقی اور رقص کے علاوہ بھی طوائفین شعر و ادب کا بہترین مذاق مسلم رکھتی ہین -

وہ ہائے دہلی مین رہتی تھی لولیان حسین * کوئی تھی حورشمائل کوئی تھی زہرہ جبین
خجل تھا عارض روشن سے جن کی ماہ مبین * سرور و رقص سے پامال انکے اہل زمین
یہ انقلاب فلک سے وہ ہوگئین لاچار * جہان مین پھرتی ہین آوارہ مثل گرد و غبار

یہ تو تہذیب دہلی کی ایک ادبی جھلک تھی یہاں کے اہل کمال اپنے دور کے ارسطو یہاں کے امیر اپنے دور کے حاتم اور یہاں کے ہر فقیر کو علم عرفان حاصل تھا۔

رہا نہ کوئی جوان اور نہ کوئی پیر امیر * برائے بخوری کے رہ گئے ہین چند شریر
ہر اک حکیم یہاں تھا ارسطوئے ثانی * ہر اک امیر کو تھا دعوئے سلیمانی
ہر اک حسین یہاں رشک ماہ کنعانی * ہر اک فقیر کو حاصل تھا علم عرفانی
بسان نقش قدم ہوگیا ہر اک پامال * دریار ہند سے سب اٹھ گئے ہین اہل کمال

اصل مین محسن کو اہل علم اور اہل کمال کے اٹھ جانے کا غم زیادہ ہے لیکن اس کا اظہار انھون نے صرف ایک بند مین کیا ہے حالانکہ اس دور کی علمی ادبی زندگی کے وہ بہترین مرقع پیش کرسکتے تھے لیکن انھون نے صرف جھلک دکھا کر چھوڑ دیا۔

آخری بند مین محسن کہتے ہین کہ اب کوئی ہم زبان نہین رہا جس کو مین اپنا درد دل سنا سکون دوست احباب اور اہل وطن میری آنکھون کے سامنے مٹ گئے اور دہلی میری نگاہون کے سامنے تباہ و برباد ہوگئی۔

مین درد دل کہون کس سے جاکے اے محسن * نہ کوئی یار رہا ہے نہ کوئی اہل وطن
شبانہ روز ہون مین مبتلائے رنج و محن * مٹا ہے سامنے آنکھون کے میرے یہ گلشن
خدا کرے کہ یہ ہوجائے پھر چمن آباد
مثال گل کے ہون باشندے یان کے خرم وشاد

## مرزا قربان علی خان کامل

کامل کا شہر آشوب کسی خاص خصوصیت کا حامل نہین ہے وہی دہلی کی بربادی اور اس کا ماتم وہی چاندنی چوک اور وہی جامع مسجد اور لال قلعہ کا لال پردی شہزادون کا قتل — بلغی فوج کی آمد اور لوٹ مار۔ یہی سب کچھ ان

کے یہاں بھی ہے لیکن انداز بیان میں کوئی لطف نہیں ہے - کہیں کہیں ایک آدھ شعر اچھے نکل آئے ہیں -

الٰہی بھاگ کے یاں سے کوئی کہاں جائے * کوئی نظر میں ٹھکانا نہیں جہاں جاوے
کوئی جگہ نہیں جس جا پئے امان جاوئے * اگر زمین پھٹے تو سما وہاں جاوے

اس طرح کے ایک دو شعر نکل گئے ہیں ورنہ نہ ادبی حسن ہے اور نہ تاریخی اور اقتصادی حالات ہی کی عکاسی ملتی ہے -

اس طرح دور دہلی سنہ ۱۸۵۷ء کا ایک باب ان شہر آشوبوں پر ختم ہوجاتا ہے - یہ تمام شہر آشوب تقریباً سنہ ۱۸۵۷ء کے چھ سال بعد لکھے گئے ہیں اس طرح تباہی و بربادی کے جو تاثر ابھی ہرے تھے ان کی بہترین نمایندگی ہوگئی ہے اور پھر ابھی آنکھوں کے سامنے سنہ ۱۸۵۷ء سے پہلے کی دہلی کی عظمت ماند نہیں ہوئی تھی اسی لئے ان شہر آشوبوں میں جذبات اور احساسات کی سلگتی ہوئی آنچ پڑھنے والے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے -

ان تمام شہر آشوبوں میں یہ مشترک رجحان اور میلان ملتا ہے کہ دہلی کی تباہی کے ذمہ دار پوربی یعنی میرٹھ سے آئی ہندوستانی فوج ہے - اور کسی نے اس تباہی کو اپنے "اعمال بد" کا نتیجہ قرار دیا ہے - لیکن کسی نے بھی سنہ ۱۸۵۷ء کے اسباب و علل کی طرف کوئی نشان دہی نہیں کی اور نہ اس وقت کے حالات اس کی اجازت دے سکتے تھے - میری اپنی رائے یہ ہے کہ اس میں جو غم اور درد کی کسک دہلی کی تباہی بہادر شاہ کی کسمپرسی شہزادہ کا قتل شرفاء کا حال بد سماجی اور اقتصادی بدحالی عورتوں کا سڑکوں پر بغیر پردے کے نکل بھاگنا بچوں کا قتل لوٹ مار یہ سب ان شعراء کے انگریز سامراج کے دہلی فتح کرنے کے بعد دیکھا اور اس کو اپنے طور سے بغیر نام لئے ادا کردیا - اور پہلے کچھ پوربیوں کی برائی کردی جس سے ان کا راز راز رہا - ان تمام شعراء کے شہر آشوبوں سے ایک منطق یہ نکلتی ہے کہ اگر میرٹھ سے پوربی فوج نہ آتی

اور انگریزون کو دهلی سے مار نه بهگاتی تو پهر انگریز بهی مغل حکومت کے آخری چراغ اور لال قلعه کی شمع محفل کو اس طرح بے دردی سے نه بجها دیتے -
لیکن ان کا تاریخی شعور اتنا واضح نه تها که وه سب تاریخ کی روشنی مین اسباب و علل کو دریافت کرتے اور نه هم ان سے مطالبه کرتے هین -

## شہر آشوب کا تیسرا دور

سنہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے ختم ہوگئے اور آہ و بکا آہستہ آہستہ ایک نئی منزل کی طرف نشاندہی کر رہی تھی - انگریز سامراج کا اقتدار مکمل طریقے سے پورے ہندوستان کو اپنی گرفت مین لے چکا تھا اب مغل حکمرانون کے بجائے ملکہ وکٹوریہ کی دہلی پر حکمرانی تھی - سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز سامراج نے جس طرح بے دردی سے دہلی کے عوام کو چن چن کر قتل کیا اسکی مثال شاید ہی تاریخ مین ملے گی - جس کسی پر حریت پسند ہونے کا شبہ کیا اس کو گولی ماردی - اس قتل عام مین دہلی کے نادر شعراء ادیب بھی زد مین آگئے یہ وہ لوگ تھے جن سے دہلی مین علم و فضل شعر و ادب تہذیب و تمدن کے چراغ جلتے تھے اور لوگ انھین قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے لیکن جب ذوق مومن غالب آزردہ اور شیفتہ جیسے باکمال یکے بعد دیگرے رخصت ہوگئے تھے اور تہذیب و تمدن شعر و ادب اور علم و فضل کا میدان خالی تھا ان حالات کو دیکھکر ان لوگون کے دلون کو ایک ٹھیس لگتی تھی جن کی نگاہون نے پرانی تہذیب کو مرتے ہوئے اور نئی تہذیب کو جنم لیتے ہوئے دیکھ رہے تھے -

اس دور مین دہلی کی عظمت اور شان و شوکت کا ماتم بھی مدھم ہوگیا تھا بلکہ ان کے سامنے دوستون اور عزیزون کا ماتم دہلی کے ماتم سے زیادہ عزیز تھا سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزی تہذیب اپنا اثر دکھا رہی تھی انگریزی علوم و فنون کی طرف لوگ مائل ہوئے تھے اور شاعرون مین ایک نیا انقلاب جو غالب سے شروع ہوا تھا اسے حالی نے پورا کیا - اس دور مین پرانے نام اور ہیئت کو تو برقرار رکھا گیا لیکن معنوی حیثیت سے اس مین ایسی تبدیلی کی کہ وہ انقلاب عظیم ثابت ہوا - اس انقلاب کے امام مولانا حالی ہین انھون نے اردو شاعری کو ایک نیا موڑ عطا کیا - اور اس کو محفلون اور مشاعرون سے نکال کر زندگی کے قریب کردیا - اور ایک ایسی شاہراہ پر اردو شاعری کو لاکھڑا کیا جہان اس کی زندگی کے تمام سامان مہیا تھے -

اس حیثیت سے شہر آشوب کی دنیا مین یعنی ایک انقلاب وجود مین آیا اور اس مین تاریخی سیاسی سماجی تہذیبی اور اقتصادی عنصر کا غلبہ رہا لیکن دہلی کی بربادی پر جس طرح کے بعض رسمی جذبات کا اظہار کیا گیا تھا اس کی جگہ اب جذبات حقیقی اور سوز و گداز نے لے لی اور تخیل کو حقیقت کے قریب کردیا ۔

مولانا حالی جدید اردو شاعری کے رہنما اور امام ہین ان کے یہان کوئی بھی چیز رسمی نہین ہے ۔ انھون نے خود رسمی جذبات اور احساسات کے خلاف جہاد کیا ۔ مولانا حالی کی تقریباً ساری شاعری غزلون کو چھوڑکر اپنے عہد کی نمایندہ ہے ۔

مولانا حالی نے "دہلی مرحوم" کا تذکرہ بڑے رقت انگیز انداز مین کیا ہے اور اس مین شہر آشوب کی شان پیدا ہوگئی ہے ۔ سنہ ۱۸۵۷ء کے حالات اور واقعات کو انھون نے خود دیکھا تھا اور ان پر جو کچھ بیتی تھی اس کو مختلف طریقے سے بیان بھی کردیا ۔ حکیم محمود خان مرحوم دہلوی کے مرثیے مین دہلی کی تباہی اور بربادی کا جو نقشہ انھون نے پیش کیا ہے اس کی مثال ملنی مشکل ہے ۔

وہ زمانہ جب کہ تھا دہلی مین محشر بپا * نفسی نفسی کا تھا جب چارونطرف غل پڑ رہا
اپنے اپنے حال مین چھوٹا بڑا تھا مبتلا * باپ سے فرزند اور بھائی سے بھائی تھا جدا
موجزن تھا جبکہ دریائے عتاب ذوالجلال * باغیون کے علم کا دنیا پہ نازل تھا وبال

حالی نے اس وقت کی تصویر کھینچی ہے جب میرٹھ کی افواج نے دہلی پر قبضہ کرکے انگریزون کو مار بھگایا تھا لیکن اس طرح سے "باغی" کہہ کر ان کو مورد الزام ٹھرانا شاید اس وقت کا مشن رہا ہوگا ۔

دیکھ کر یارونکو جب آنکھین چرا جاتے تھے یار * ساتھ دینا تھا کسیکا موت سے ہوتا دوچار
یارسے یار آشنا سے آشنا تھے شرمسار * شہر مین تھی چار سو گویا قیامت آشکار

آگ تھی اک مشعل ایسی کہ تھا جس سے خطر * جل نہ جائین اسکے شعلے سے کہین سب خشکتر
مجرم و بے جرم ہین تھا حاکمون کو اشتباہ * عدل تھا مجرم کا دشمن اور بری کا عذرخواہ
مجرمون کے جرم پر دیوار و در تھے سب گواہ * پر نہ تھا کوئی شفیع انکا کہ جو تھے بے گناہ

مولانا حالی نے صرف ایک رخی تصویر پیش کی ہے کاش کہ ان تمام واقعات پر حالی کوئی طویل مسدس ہی لکھ دیتے جس طرح انھون نے (مدد و جزا اسلام) لکھا ہے - لیکن حالی کا دل دھلی کی ویرانی کو دیکھکر اسقدر بھر آیا کہ وہ عشق و محبت اور دل لگانے سے شدت کے ساتھ منع کیا - کیونکہ یہ دنیا سرائے فانی ہے - اصل مین یہ "تذکرہ دھلی مرحوم" کا بھترین اور دلدوز نوحہ ہے - جو دوست احباب عزیزون اور اھل علم کی تباھی پر مولانا نے خون کے آنسو روئے ہین -

جیتے جی موت کے تم منہ مین نہ جانا ہرگز * دوستو دل نہ لگانا نہ لگانا ہرگز
کوئی سب کرگئے دھلی سے ترے قدوشناس * قدریان رہ گئے اب اپنی نہ گنوانا ہرگز

اور جب کوئی حالی کے سامنے عہد رفتہ کا ذکر چھیڑ دیتا ہے تو ان دل بھر آتا ہے اور وہ بے چین ہو اٹھتے ہین - ان کی آنکھون مین دھلی کی تہذیب اور عظمت گھوم جاتی ہے لیکن اس ویرانی نے ان کے دل کو رونا تو سکھا دیا - اور وہ کہہ اٹھتے ہین ـــــ

تذکرہ دھلیٔ مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ * نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانا ہرگز
داستان گل کی خزان مین نہ سنا اے بلبل * ہنستے ہنستے ہمین ظالم نہ رلانا ہرگز
ڈھونڈھتا ہے دل شوریدہ بہانے مطرب * درد انگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز

اور کہتے ہین کہ ہمین دھلی کی عظمت نہ جتاؤ اور اس حالت کی طرف اشارہ نہ کرو - کیونکہ -

صحبتین اگلی مصور ہمین یاد آئین گی * کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز

اور آج یہ شہر جو کبھی آباد تھا اور اس کو کوئی عشق آباد بھی کہا کرتا تھا لیکن ایسے آنے والون سیاحون اس شہر کے ان کھنڈرون مین نہ کیونکر تم ان کی

عظمت کا داغ اپنے سینے پر لیکر سوئوگے کیونکہ یہان کے ایک ایک چپہ پر دھلی کے ہزارون نامور لوگ دفن ہین -

لیکے داغ آئیگا سینے پہ سب اے سماج * دیکھ اس شہرکے کھنڈرون مین نہ جاناہرگز
چپہ چپہ پہ ہین یان گوہر یکتا نہ خاک * دفن ہوگا کہین اتنا نہ خزانا ہرگز
مٹ گئے تیرے مٹانے کے نشان بھی ابتو * اے فلک اس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز
وہ تو بھولے تھے ہمین ہم بھی انھین بھول گئے * ایسا بدلا ہے نہ بدلے گا زمانہ ہرگز

پھر حالی نہایت سادگی سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہین کہ آج دھلی کا کوئی ایسا گھر نہین ہے جہان سے آہ وفغان کی صدا بلند ہوتی ہو- اگر تونے ہم کو رلایا تو ضرور رلا لیکن اے آسمان تو ہم پر دوسرون کو کم ازکم ہنسنے کا موقع نہ دے -

جسکو زخمون سے حوادث سے اچھوتا سمجھین * نظر آتا نہین اک ایسا گھرانا ہرگز
ہم کو گر تونے رلایا تو رلایا اے چرخ * ہم پہ غیرون کو تو ظالم نہ ہنسانا ہرگز
یار خود روئین گے کیا ان پہ جہان روتا ہے * انکی ہنستی ہوئی شکلون مین جانا ہرگز

پھر حالی دھلی کی علمی مجلسی زندگی کا بڑا درد ناک نقشہ پیش کرتے ہین - کبھی کہہ کر حالی نے اسکی گذشتہ عظمت اور حال کی تباہی کی طرف اشارہ کیاہے-

کبھی اے علم و ہنر گھر تھا ہمارا دلی * ہم کو بھولے ہوتو گھر بھول نہ جانا ہرگز
شاعری اب مرچکی اب زندہ نہ ہوگی یارو * یاد کرکے اسے اب جی نہ کڑھانا ہرگز
غالب و شفتہ و نیر و آزردہ و ذوق * اب دکھائیگا یہ شکلین نہ زمانا ہرگز
مومن دھلوی و صہبائی و ممنون کے بعد * شعر کا نام نہ لیگا کوئی دانا ہرگز
کردیا مرکے یگانون نے یگانہ ہم کو * ورنہ یان کوئی نہ تھا ہم ہین یگانا ہرگز
داغ و مجروح کو سن لو کہ پھر اسی گلشن مین * نہ سنے گا کوئی بلبل کا ترانا ہرگز
رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر * اب نہ دیکھوگے کبھی لطف شبانہ ہرگز
بزم ماتم تو نہین بزم سخن ہے حالی * یان مناسب نہین رورو کے رلانا ہرگز

اصل مین یہ بھی دوسرے دور کے شہر آشوبون کی ایک بھلی اور ذاتی غم کی ایک کڑی ہے جو اپنے اندر مرثیت کی لے رکھتی ہے - اس لئے کہ اس مین شہر آشوب کی پوری شرایط نہین ہین - لیکن دہلی کی تباہی کے جو مناظر پیش کئے ہین - وہ اپنے اندر ایک خاص تاثر رکھتے ہین - پھر دہلی کے اجڑنے سے علا و ادب کی شمع کا گل ہونا بھی ایک عظیم سانحہ سے کم نہین تھا - غالب، شیفتہ، آزردہ ذوق، مومن، علوی، صہبائی یہ وہ لوگ ہین جو بذات خود ایک انجمن کی حیثیت رکھتے تھے انھین کے دم قدم سے شاعری تہذیب علم و فضل کے چراغ روشن تھے - اور اب جو مجروح اور داغ ان ایوان کے آخری چراغ ہین جو روشنی بخشتے تھے پھر ان لوگون کے بعد چراغون کی مین روشنی نہین ہوگی -

## میر مہدی مجروح

مجروح غالب کے عزیز شاگرد تھے - اور قدیم دہلی کے شیدائی علم و ادب شعر و سخن کے دلدادہ ایک عہد آخر مین شاعر کے شاگرد تھے اور خود بھی اپنے دور کے بہترین شاعر تھے -

سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی مین جہان تہذیب ختم ہوئی وہان انسانیت اور شرافت کے مجسمے شیفتہ صہبائی اور دوسرے لوگ قتل ہوئے - اور شعر و سخن کی شمع جھلانے لگی - اور دہلی کی تباہی پر انھون نے جو نظم نما شہر آشوب لکھا ہے وہ اپنے اندر درد اور کرب رکھتا ہے - یہ کرب مجروح کا اپنا ذاتی ہے - اس غم مین اپنے دوستون اور عزیزون کے بچھڑ جانے کا ماتم ہے -

ذکر بربادئ دہلی کا سنا کر ہمدم * نشتر زخم کہن پر نہ لگانا ہرگز
آب رفتہ نہین پھر بحر مین پھر کر آتا * دہلی آباد ہوا دھیان نہ لانا ہرگز
وہ تو باقی ہی نہین جن سے کہ دہلی تھی مراد * دھوکہ اب نام پہ دہلی نہ کھانا ہرگز
گیتی افروز اگر حضرت نیر کہتے * اتنا تاریک تو ہوتا نہ زمانا ہرگز

ان اشعار مین مجروح کو اپنے دوستون کے مرنے اور دھلی کے مٹنے کا جو غم ھے وہ غم شعر کے ایک ایک لفظ مین نہان ھے - مجروح کے نزدیک دھلی وہ ھے جس مین نیر جیسے شاعر رھتے ھون - اس مین اقتصادی اور سیاسی حالت کی طرف کوئی اشارہ نہین ھے لیکن چونکہ ایک حادثہ سے متاثر ھوکر انھون نے یہ دھلی کا مرثیہ لکھا ھے اسلئے قابل قدر ھے -

اب تو یہ شہر ھے اک قالب بیجان ھمدم * کچھ یہان رھنے کی خوشیان نہ منانا ھرگز
مین ھون اک مجمع احباب کا بچھڑا گلچین * مجھکو گلدستہ رنگین نہ دکھانا ھرگز
مجمع ھے مجمع احباب قضا مین تیری * اے تصور یہ مرقع نہ مٹانا ھرگز
جن کے ایوان تھے ھم پلۂ قصر قیصر * انکی ملتا نہین قبرون کا ٹھکانا ھرگز
قصر حالی کی حوالی مین ذرا تم مجروح * اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد نہ بنانا ھرگز

اس نظم نما مرثیۂ دھلی کے علاوہ ایک طرفی آشوبیہ غزل "گمان دھلی" بھی ان کے دیوان مین شامل ھے - حیرت ھے کہ فغان دھلی کے مولف نے اس غزل کو شامل نہین کیا ھے حالانکہ یہ غزل بھی اپنے تاثر اور اثر مین غالب داغ وغیرہ سے کم درجے کی نہین ھے - اس آشوبیہ غزل کے چند شعر درج کرتا ھون -

وہ ستم دیکھ چکے تھے کہ رھے آسودہ * فتنۂ حشر مین آفت زدگان دھلی
سمجھے ھین سوئے ادب جنت ثانی کہنا * وہ کچھ اشخاص جو ھین مرتبہ دان دھلی
سیل پنجہ جلاد ستم سے ھے ھے * نذر بیداد ھوئے منتخبان دھلی
یا خدا حضرت غالب کو سلامت رکھے * اب اسی نام سے باقی ھے نشان دھلی

## برق لکھنوی کا شہر آشوب !

ان کے متعلق مولوی مسعود حسین ادیب نے اپنے مقالے مطبوعہ نقوش مین ان کے شہر آشوب کا ذکر کیا ھے اور کچھ بند نقل کئے ھین - اس کے مصنف برق لکھنوی نے اسے شہرآشوب کہا ھے لیکن یہ مسدس بھی سنہ ۱۸۵۷ء کے حالات سے متاثر ھوکر نہین کیا گیا ھے ان کے مضامین شاعر کا لب و لہجہ ان سب

چیزون سے صاف ظاہر ہے کہ سنہ ۱۸۵۷ء کے واقعات اور واجد علی شاہ کی معزولی اور کلکتے کو روانگی کے بعد لکھنؤ کی بے رونقی اور اداسی کا اس مین بیان ہے - اس وقت تک شہر ان تباہیون سے اور اہل شہر ان مصیبتون سے محفوظ تھے -

برق بھی دہلی والون کی طرح اپنے شہر آشوب کو لکھنؤ کی عظمت اور شان و شوکت کی جھلکیان دکھاتے ہین -

کل کے مذکور یہ ہین اپنے بھی افسانے تھے * رشک فردوس بھرمین شہر کے میخانے تھے
تھالیان ہیرون کی تھی لعلون کے پیمانے تھے * ماہ و خورشید رخ شمع کے پروانے تھے
سب سواہ خواہ سلیمان کیا کرتے تھے * رات دن پریون کے جھرمٹ مین رہا کرتے تھے
قہقہے اڑتے تھے چمگھٹ تھے پریزادون کے * میلے پر زور ہوا کرتے تھے آزادون کے
نالے سنتے تھے یہ ہرگز کبھی فریادون کے * کبھی آگاہ نہ تھے نام سے بیدادون کے

یہ لکھنؤ واجد علی شاہ کا لکھنؤ ہے جہان ہر طرف رنگ رلیان منائی جارہی ہین عیش و نشاط کا سامان مہیا ہے جام پر جام چھلکائے جا رہے ہین - ہر طرف مبارک سلامت کی آوازین آرہی ہین -

واجد علی شاہ اپنی گوپیون مین مست * امراء اپنی رنگ رلیون مین مگن
جانتے تھے کہ اسطرح گزر جائیگی * چمن عیش مین ہرگز نہ خزان آئیگی
آزرد نخل محبت سے ثمر لائیگی * یہ نہ سمجھے تھے فضا رنگ نیا لائیگی

لیکن یہ محفل نشاط ایک دم اٹھ گئی - لکھنؤ کی رونق اداسی مین بدل گئی - انگریز سامراج نے اودھ کو بھی ختم کردیا - واجد علی شاہ گرفتار ہوکر مٹیا محل برج کلکتہ مین قید کردئے گئے - برق کا خیال ہے کہ صرف واجد علی شاہ کے نہ ہونے سے یہ شہر اجڑ گیا اور اسکی رونقین اداسی مین بدل گئین - یہان پر شاعر شاہ پرست معلوم ہوتا ہے فرد کی اہمیت ضرور ہوتی ہے لیکن کسی ایک فرد کی عدم موجودگی سے دنیا اور زندگی کا نظام بدل نہین جاتا -

ایک بس انکے نہ ہونے سے یہ سب قہر ہوا * شربت زندگی ہجر ہمین زہر ہوا
دل کو شمشیر دودم آب لب نہر ہوا * ہم کو دوزخ سے زیادہ چمن شہر ہوا
نالۂ دل سے چل عرش ملادے یارب * موت آئے ہمین یا ان سے ملادے یارب
ہم پہ اے برق جو گزرا ہے سنایا ہم نے * نقشہ سب کھینچ کے شعرون مین دکھایا ہمنے
شہر آشوب کہا روکے رولایا ہم نے * وقت پر دوستون کو دوست نہ پایا ہم نے
خلق نیر اقبال ہمارے وہ تھے * سب کو ثابت ہے کہ سیار ستارے وہ تھے

برق یہان وہ اور انکے سے واجد علی شاہ مراد لیتے ہین اور احترام تام نہین لیتے یہ ان کی شاہ پرستی کی واضح دلیل ہے -

## جان صاحب کا شہر آشوب

جان صاحب لکھنؤ کے مشہور ریختی گو شاعر تھے - انھون نے بھی ایک شہر آشوب کہا ہے - یہ شہر آشوب بھی لکھنؤ کی زندگی سے متعلق ہے - شہر آشوب کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا رنگ طنزیہ اور مزاحیہ ہے اور یہ بھی اس دور کا ہے جب کہ انگریزون سے ہندوستانی محب وطن اپنی آزادی کیلئے لڑ رہے تھے سنہ ۱۹۰۰ء کے بعد کا معلوم ہوتا ہے - یہ شہر آشوب بھی مسعود حسین ادیب کے مقالے سے لیا گیا ہے -

اس مین کوئی خاص بات نہین ہے لیکن اس مین مزاحیہ اور طنزیہ ہجہ اس طبقے کیلئے ہے جو بقول جان صاحب آجکل مالدار ہے اور شریف خاندان دربدر ٹھوکرین کھا رہا ہے -

ہوگئی راحت ہے دشمن رنج ہے بنوجیب * دور دولت ہوگئی کس طور ہو عشرت قریب
پاؤن جو پھیلاکے سوئین پھرنہین جاگے نصیب * جو سنی تھے پیسے والے اب وہ ہین مفلس غریب
ان کے گھر مہمان رہتی ہے قناعت آج کل

نائی دھوبی کنجڑے بھٹیارے قصائی نابکار * ایک کوڑی کیلئے ہوتے ہین گردن پر سوار
لوٹکر ہم کو ہوئے تیلی تنبولی مالدار * ہم فقیرون سے ہین بدتر دیکھ لوہے آشکار
باچیون کے گھر مین ہو دولت نہ کیونکر آج کل

جان صاحب اس طبقے پر طنز کر رہے ہین جو زمانے کے بدلتے ہوئے حالات مین جس نے اپنے آپ کو سنبھالا رہا - اور تجارت و محنت سے ترقی کر گیا - اس ترقی پر جان صاحب کی رگ شرافت پھڑکتی ہے اور وہ انھین حقارت سے دیکھنے کے باوجود اس بات پر مجبور ہین کہ دولت ان کے یہان نہین بلکہ انھین لوگون کے پاس ہے جن کو وہ طنز کا نشانہ بنا رہے ہین -

## کیفی دہلوی کا عالم آشوب [1]

پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی دہلوی نے سنہ ۱۹۲۲ء مین شہرآشوب کی طرح پر عالم آشوب لکھا - اس عالم آشوب کی وجہ تصنیف مسعود حسین رضوی ادیب کو ایک خط کے جواب مین یہ بتائی ہے کہ - "یہ نظم شہرآشوبون سے مختلف ہے ان مین اکثر تضحیک یا ایک قسم کی ہجو کا پہلو ہوا کرتا تھا یہ تین عرض حال ہے - اسکی وجہ تصنیف یہ ہے کہ یکم مارچ سنہ ۱۹۲۲ء کو دہلی مین کونسل آف اسٹیٹ اور لیجسلیٹو اسمبلی مین حکومت ہند کا بجٹ پیش ہوا ۳۰ کڑوڑ سے زیادہ گھاٹا دکھایا گیا - نئے ٹیکسون کی تجویز پیش ہوئی - سارے صوبون مین بجٹ گھاٹے کے پیش ہوئے - دلی کا افلاس مدت سے دلی کو دکھ دے رہا تھا یہ نئی صورت اس نظم کی محرک ہوئی - اس عالم آشوب مین اس غلام ہندوستان کی تصویر ابھرتی ہے جس کا ایک ایک قطرہ انگریز سامراج چوس رہا تھا - سارے ملک مین تباہی اور افلاس کا دور دورہ تھا مختلف پیشے سے تعلق رکھنے والے روزگار کی طرف سے پریشان تھے -

---

۱ - کیفی کے خط کا حوالہ مقالہ شہرآشوب مطبوعہ نقوش لاہور شمارہ نمبر ۱۰۲

سارے ملک مین آزادی کی جدوجہد کو کچلنے کیلئے انگریز کو فوج اور پولیس کا سہارا لینا پڑ رہا تھا لیکن آزادی کی لگن بڑھتی جا رہی تھی اور حکومت کا بوجھ یعنی اضافہ ہورہا تھا اس مالی بوجھ کو کم کرنے اور بجٹ کے خسارے کو پر کرنے کیلئے انھین نئے ٹیکس لگانے کی ضرورت تھی۔ انھین تمام حالات کو کیفی دھلوی نے نئے ڈھنگ سے پیش کیا ھے ۔ اس‌مین نئے اور پرانے شہرآشوب کے دونون مضمون شامل ھین ۔ البتہ انھون نے مختلف پیشون کو لیکر الگ الگ عنوان کے تحت کیا ھے ۔

کیفی اسی "دھر آشوب" لکھنے کی وجہ تسمیہ اسطرح بیان کرتے ھین کہ

چھائے ھین ملک پر افلاس کے منحوس آثار * تنگدستی کا ھے جن پر خلایق کے سوار
شہر آشوب لکھا کرتے تھے پہلے مگر اب * عالم آشوب کے لکھنے کا ھے مضمون تیار

اس سے ایک بات واضح ھو جاتی ھے کہ کیفی شعوری طور سے عالمی افلاس اور اسکے مصائب کو اچھی طرح جانتے تھے اور اس کا مقابلہ نہ سہی تو کم ازکم اس کا پرتو اس وقت کے ھندوستان مین دیکھتے تھے تب ھی تو انھون نے اس کا نام عالم آشوب لکھا ۔ اور اس کے اسباب وعللل پر ان کی نگاہ کی گرفت ھے ۔ ملازمت پیشہ والون کا حال وہ اسطرح بیان کرتے ھین کہ

نوکری پیشہ جو ھین انکا نہ پوچھو احوال * ان پہ رھتی ھے مصائب کی ھمیشہ بھرمار
سادہ خوری کی ھے ماھانہ بہ مجمل روداد * پہلے سالن اڑا پھر دال سے چھوٹا ھے بگھار
نوبت یہ ھے کہ مہینے مین ھے باقی ھفتہ * پان بیوی سے چھوٹا ھے تو میان سے توسگار

تجارت پیشہ لوگ بھی ملک کی تباھی اور قوم کے افلاس کے ذمہ دار ھین ۔

ملک کی ان کو امارت کا سمجھنا نہ انھین * تم کو دیتے ھین دکھائی جو یہ بڑھیا تجار
ان کے ھاتھون مین نکلتی ھے وطن کی دولت * قوم کے سر پہ چلاتے ھین یہی تو تلوار
ھین یہ دلال اگر حیثیت اصلی دیکھو * غیر ملکون کی یہ آڑھت کے ھین فرمانبردار

ادھر جو تعلیم یافتہ نسل نکلی تو ان کا یہ حال ہے کہ ڈگریون کو لئے گھوم رہے ہین لیکن نوکری کا کہین کوسون پتہ نہین - اب ان کے ہاتھ مین قلم رہ گیا ہے اور صرف نوکریون پر بھروسہ کئے بیٹھے ہین - بزرگون کے ہنر اور فن کو چھوڑ دیا ہے - یہان ہجو طنزیہ ہے -

کرنا چاہین نہ وہ کچھ کرھی سکین ہاتھ کا کام * وہ تو اک نوکری پر بیٹھے ہین بس کھائے ادھار
بھول بیٹھے ہین بزرگون کے ہنر اور فن کو * ایک لے دے کہ قلم رہ گیا ان کا ہتھیار
ایک آسامی کہین خالی ہوئی پھر دیکھین آپ * بابو لوگون کی دور ویہ رہ دفتر ہین قطار
عرضیان عرضیون پر ہین کہ چلی آتی ہین * منسلک جن سے سفارش کے خطون کے طومار

کیفی نے اس طرح سے سنہ ۱۹۲۲ء مین جو خسارہ کا بجٹ پیش ہوا تھا اس پر بھرپور طنز کیا ہے - اور اسطرح اپنے عہد کی روح کو ہمارے سامنے پیش کردیا ہے -

عمر انصاری کا دھر آشوب

مسعود حسین رضوی ادیب نے اپنے مقالہ مین ان کے مسدس دھر آشوب کا تذکرہ کیا ہے جو اخبار ترقی لکھنؤ کے یکم جولائی سنہ ۱۹۳۷ء کے شمارے مین شائع ہوا تھا - اس دھر آشوب کا انداز ہجویہ اور طنزیہ ہے - اس مین مختلف پیشون کو ہدف ملازمت بنایا گیا ہے - اس مین کوئی خاص بات نہین ہے - مختلف پیشون پر جو طنز کئے ہین ان کے نمونے درج ذیل ہین - حالانکہ یہ "دھر آشوب" سنہ ۱۹۳۷ع مین لکھا گیا اس مین اس دور کے پر آشوب حالات کی عکاسی ہونی چاہئے تھی - اس وقت ہندوستان جوالامکھی بنا ہوا تھا اور سنہ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کی مخالفت کانگریس اور مسلم لیگ دونون کر رہے تھے لیکن شاعر پر ان حالات کا کوئی اثر مرتب نہین ہوا - اسی سے محسوس ہوتا ہے کہ عمر انصاری نے زاویہ نظر کیا ہے - اگر ہم ذرا اور چھان بین کرین تو اسطرح کی سینکڑون نظمین مختلف رسائل مین مل جائینگی - لیکن اس سے کوئی فائدہ نہین ہوگا - خواہ مخواہ کو محترم مسعود حسین رضوی ادیب نے ان کو شہر آشوبون مین شامل کرا

اس دہر آشوب مین عمر انصاری نے بقول مسعود حسین رضوی ادیب پہلے تو اپنے زمانے کی برائی کی ہے اور پھر مختلف لوگون کو [illegible]

آج وہ قصۂ دیرینہ سناتا ہون مین * خواب غفلت سے زمانے کو جگاتا ہون مین
سازکے ٹوٹے ہوئے تار ہین محفل برہم * نغمہ مقصود ہے موجود ہے شور ماتم
پھول مرجھائے گلستان مین کہ لوچلتی ہے * پتی پتی کف افسوس پڑی ملتی ہے

پھر مختلف طبقون کی اس حالت پر طنز کیا ہے جو اس زمانے مین ان کا رویہ تھا۔

رند اب وہ ہے کہ جسکا کوئی شرب ہی نہین * قاضی وہ ہے کہ جسے عدل سے مطلب ہی نہین
مولوی وہ ہے کہ تاناف رکھے ریش دراز * فلسفی وہ ہے کہ جسکی ہو خدا تک پرواز
جوگی وہ ہے کہ ہوعریان پہ اپنی جسے ناز * صوفی وہ ہے کہ جو اللہ کا ٹھہرے ہم راز
سادھو وہ ہے جو گرون لوہے کا زیور پہنے * سب سے بہتر وہی لیڈر ہے جو کھدر پہنے

اور پھر اس وقت جو حالات تھے سیاسی سماجی ان کا اثر نوجوانون پر ہونے کے بجائے وہ [illegible]

طالب علم وہ بہتر ہے کہ جب کالج جائے * زلف شب رنگ کو جسطرح بنے خوب بنائے
پھر ہوا سے جو وہ اڑکر رخ زیبا پر آئے * جھٹکا دے دے کہ بصد ناز وہ گردن کو ہلائے

یہان تک تو مولوی قاضی جوگی صوفی سادھو لیڈر طالب علم کی حالت دکھائی تھی اب [illegible]

ماسٹر وہ ہین کہ تعلیم کو کمرے مین جوآئین * غالب و مومن و آزردہ کے کچھ شعر سنائین
پہلے جسطرح سے ممکن ہو گپین خوب اڑائین * گھنٹہ بج جائے تو کمرے سے وہ رخصت ہوجائین

شاعرون کا اس وقت جو حال تھا وہ اب ترقی کرگیا ہے اور گویون کی بھرمار ہے۔

بزم مین جاکے جو اچھا کوئی گالیتا ہے * سننے والون کو وہ البتہ رجھا لیتا ہے

آخر مین عمر انصاری کہتے ہین کہ سارے زمانے اور تمام مذہب و ملت کے یہی اگر آثار رہین تو ہمارا [illegible] حافظ ہے اور اس کو ختم کردیتے ہین۔

## شریر بنی یاسی کا شہر آشوب !

اس کی دریافت کا سہرا بھی مولوی مسعود حسین رضوی ادیب کے سر ہے۔ انھون نے اپنے مقالے مطبوعہ نقوش لاہور مین لکھا ہے کہ " شریر بنی یاسی کا مخمس ۴۴ بند کا شہر آشوب کے عنوان سے اخبار "ہمدم" لکھنؤ مین ۱۳ دسمبر سنہ ۱۹۴۸ء مین شائع ہوا۔ اڈیٹر کے نوٹ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شریر اس وقت زندہ تھے"۔ جب ہم اس شہر آشوب کے شائع ہونے کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہین تو ہمیشہ یہ خیال گزرتا ہے کہ سنہ ۱۹۴۸ء مین ہندوستان کو آزاد ہوئے ایک سال ہوا ہے اور اس مین یا تو آزادی سے پہلے کے واقعات یا پھر سنہ ۱۹۴۷ء کی تقسیم سے پیدا شدہ وہ حالات جن کی بنا پر سنہ ۱۸۵۷ء کی تاریخ نے ایک مرتبہ پھر اپنے آپ کو دہرایا ہو۔ وہ ہندو مسلم جو صدیون سے اسی ملک مین رہتے سہتے آئے تھے آزادی کی جدوجہد نشانہ بنشانہ لڑے اپنے سینون پر گولیان کھائین جیلون کی مصیبتین اٹھائین اور آخر کار اس کے نتیجے مین انگریز سامراج کا جنازہ جسمانی طور سے ہندوستان سے نکال دیا۔ لیکن آزادی کی دونون ملکون کو بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ ہزارون جانون کی قربانی عزت و آبرو کا بلیدان چڑھا۔ اور کانگریسی حکومت نے اقتدار سنبھالا۔ لیکن جن خوشحالی اور آزادی کی تمنا مین انھون نے اپنا سب کچھ نچھاور کردیا تھا وہ صبح بڑی خون آشام نکلی ؎

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر

ثابت ہوئی۔ لیکن ہمین شریر کے شہر آشوب کو پڑھ کر مایوسی ہوئی اس مین کوئی خاص پہلو نہین ہے نہ تاریخی سیاسی واقعات کی طرف اشارے ہین نہ تہذیبی زندگی کا ماتم ہے۔ بلکہ انھون نے لکھنؤ کی تہذیب اور اس کی عظمت رفتہ کو یاد کرکے اس پر آنسو بہائے ہین۔ اس مین صرف سماجی عوامل کی طرف ہلکے ہلکے اشارے ہین۔ مختلف اداروں کو انھون نے طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ مفتی، عالم ڈاکٹر، سرجن، نرس، عطار، انجینیر، ہمار، لکچرر، پروفیسر، ڈین اڈیٹر ان سب کی ہجو کہی ہے۔ یہ نہین بتایا کہ آخر ان سب کی یہ حالت کیون ہوئی وہ کون سے حالات تھے اور کیا وجوہات تھے جن کی بنا پر یہ سب اپنے منصب سے گرگئے۔

اگر وہ گذشتہ لکھنؤ کی مدح سرائی نہ کرتے تو قاری اس کھانچے کو خود سے پر کرلیتا اور اس کا ذہن مشتر نہین ہوپاتا - لیکن ایسا نہین ہوا بلکہ شریر ہمین ماضی کی طرف لیجانے کی کوشش کرتے ہین جتنے بند مسعود صاحب نے نقل کئے ہین اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے -[1] شریر نے نظیر اکبرآبادی کی طرز مین شہر آشوب لکھا ہے یہ بھی مخمس کے فارم مین ہے اور اس پر نظیر کی چھاپ بہت نمایان ہے -

گذشتہ لکھنؤ کو یاد کرتے ہوئے شریر لکھتے ہین کہ ـــــہ

کیا لکھنؤ کے شہر کی حالت کرون بیان * باغون کا شہر کہتے تھے جسکو کبھی یہان
جسکی صفت مین تھا کبھی الحب اللسان جہان * ہوتا تھا جس پہ خلد برین کا کبھی گمان
افسوس اس کو میٹ گیا دور آسمان

وہ باغ کیا ہوئے وہ گلستان کدھر گئے * وہ بوستان بہشت وہ گم دامان کدھر گئے
ہر شاخ سے عیور غزل خوان کدھر گئے * فوارے کیا ہوئے وہ خیابان کدھر گئے
ہم نے کبھی تو ایسی نہ دیکھی کبھی خزان

لکھنؤ مین نہ فسادات ہوئے اور نہ کوئی عظیم انقلاب برپا ہوا - پھر آخر شریر کس لکھنؤ کو یاد کر رہے ہین اور کس پر ماتم کر رہے ہین یہ سمجھ مین نہین آتا -

منشی نہین دبیر نہین منطقی نہین * ملا نہین فقیہ نہین مولوی نہین
مرشد نہین مرید نہین متقی نہین * عارف نہین فقیر نہین باطنی نہین
واہ رتا کمال کا ملنا نہین نشان

---

۱ - شریر کا ذکر سوائے مسعود حسین رضوی صاحب کے اور کسی نے بھی نہین کیا ہے یہ لکھنؤ کے ایک عزیز معروف شاعر تھے -

یہ بھی سمجھ مین نہین آتا ہے کہ کیا لکھنؤ سے تمام کے تمام باکمال ایک ساتھ اٹھ گئے یا پھر پاکستان چلے گئے - اور شریر کو اس بات کا افسوس ہے کہ ایک بھی باکمال کا نشان نہین ملتا - یا پھر وہ اگلے وقتون کے باکمال لوگون کے مقابلے مین اپنے عہد کے باکمالون کو خاطر مین نہین لاتے - لیکن اس وقت بھی خاص لکھنؤ مین "فرنگی محل" اور دوسرے باکمال مفسر ادیب عالم صحافی لیڈر موجود ہین -

جو پیر ہے فقیر ہے مرشد ہے شاہ ہے * چلاک ہے حریص ہے ناسہ سیان ہے
اور صوفیون کی جو بھی یہان خانقاہ ہے * اب تو تماشا بینون کی آماج گاہ ہے
کیونکر نہ دل کی آگ سے اٹھنے لگے دھوان

یہ ٹھیک ہے نہ پیرون مین وہ شان رہی اور نہ فقیرون مین وہ بے نیازی رہی سب کا نامہ اعمال سیاہ ہے اور صوفیون نے اپنے منصب کو بھلا دیا اور خانقاہون کو ایک تماشاگاہ بنا دیا -

گو لکچرر ہین ڈین ہین اور ہین پروفیسر * کچھ ان مین بے وقوف ہین بعض ان مین بیخبر
کج بخت کم نگاہ قیامت کے بے ہنر * تعلیم کی ہے فکر نہ تدریس پر نظر
پیشہ غریب لوگون کا کرتے ہین رائیگان

ان شاعرون کے غول سے اللہ کی پناہ * اک شعر پر بھی ہوگئی گر ان کی واہ وا
اپنے کو آپ لکھتے ہین خاقانی زمان

یہ صحیح ہے کہ انگریزون نے صرف کلرک پیدا کئے لیکن اس کے ساتھ ساتھ بھی کچھ بڑے لوگون نے بھی جنم لیا - لیکن اس دور مین خواہ یونیورسٹی ہو یا اخبار کی اڈیٹری خواہ کوئی مشاعرہ ہو - ان پر سب بے ہنر اور نالایق لوگون کا قبضہ ہوگیا -

آخر مین پہلے دور کے شعراء کی طرح وہ بھی ان چیزون کو اپنے سیاہ نامہ اعمال کا نتیجہ قرار دیتے ہین اور دست بہ دعا ہین کہ لوگون کے اعمال درست

هوجائین اس درد مین اسی طرح کا تبلیغی انداز کھل جاتا ہے اور اس سے شریر کی کم نگاہی کی طرف ذہن منتقل ہوجاتا ہے -

سب ہوچکا بیان تباہی کا ماجرا * جو کچھ ہوا ہمارے گناہون کی ہے سزا
ہر ایک دل سے اب تو نکلتی ہے یہ دعا * اجڑا ہوا یہ دیس بسے پھر سے اے خدا
تو ہے کریم فضل کی اپنے دکھادئے شان

یہ ناصحانہ انداز اس دور مین جب کہ تمام اسباب و علل سامنے ہون مناسب نہین ہے آخری بند تو نظیر سے اخذ کیا گیا ہے - لیکن جس طرح کا انداز بیان نظیر نے اپنے شہر آشوب مین استعمال کیا ہے اس کا ذرہ برابر اثر بھی شریر کی قسمت مین نہ آیا -

قیدی کہو اسیر کہو لکھنؤ کا ہے * قاصد کہو سفیر کہو لکھنؤ کا ہے
شاعر کہو فقیر کہو لکھنؤ کا ہے * احمق کہو شریر کہو لکھنؤ کا ہے
ہو کس طرح نہ اسکی تباہی پہ نوحہ خوان

اس بند کو پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نظیر کو منہ چڑھا رہے ہین -

چوتھا دور ـــ آزادی کے بعد ـــ سنہ ۱۹۴۷ء سے سنہ ۱۹۶۶ء تک

## آزادی کے بعد

مولانا حالی سے اردو شاعری نے ایک نیا رخ اختیار کیا لیکن اس دور مین شاعری مقصدی اور اصلاحی چیز ہوکر رہ گئی تھی - آزادی کی آگ جیسے جیسے تیز ہوتی گئی ویسے ہی ویسے اردو شاعری مین آفاقیت بڑھتی گئی - اقبال اکبر الہ آبادی چکبست وغیرہ کی شاعری اپنے وقت کی آواز ہے -

اس نقطہ نظر سے جب ہم اردو شاعری پر نظر ڈالتے ہین تو ہمین ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اردو شاعری اپنے محدود دائرے سے نکلکر زندگی کے ہر شعبے پر چھاتی جارہی تھے - اور اپنے اندر "روح عصر" کو سمیٹے ہوئے ہے - آزادی سے پہلے جس سپانے خواب کی تعبیر مین لوگون نے اپنی جانین قربان کردین - اور ہنستے ہوئے پھانسی کے پھندے کو گلے لگایا - لیکن جب ملک آزاد ہوا اور اس کے حصے نجرے ہوئے گے تو تمام سپانے خواب چکنا چور ہوگئے اور خون کی ہولی سے ہندو پاک کا دامن رنگا ہوا تھا - سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد فسادات پر جتنی نظمین لکھی گئین وہ ایک طرح سے اپنے عہد کی نمائندہ نظمین ہین - ان بہت سی نظمون مین ہم نے چند ایسی نظمین منتخب کی ہین جن مین شہرآشوب کی مکمل خصوصیات ہین یون تو سنہ ۱۹۳۶ء سے لیکر آج تک کی ساری شاعری ایک طرح سے شہرآشوب کی سی کیفیت رکھتی ہے - لیکن مکمل طور پر شہرآشوب نہین ہے -

اس دور مین "شہرآشوب" کی تعریف مین بھی وسعت پیدا ہوگئی ہے اس مین ملک کی تباہی پر زور بھی ہے لیکن سماجی سیاسی تہذیبی اقتصادی بدحالی اور پریشان حالی پر زیادہ زور صرف کیا گیا ہے - اور ان اسباب وعلل کی طرف واضح اشارے بھی ہین -

## جوش ملیح آبادی

جوش نے "ماتم آزادی" کے نام سے ایک طویل نظم لکھی ہے - اور آزادی کے بعد کا نقشہ بہت ہی موثر انداز مین پیش کیا ہے - اس نظم مین شہرآشوب کی ساری خصوصیات موجود ہین -

اے ہم نشین فسانہ ہندوستان نہ پوچھ * روداد جام بخشئی پیر مغان نہ پوچھ
بربط سے کیون بلند ہوئی ہے فغان نہ پوچھ * کیون باغ پر محیط ہے ابرخزان نہ پوچھ
کیا کیا نہ گل کھلے روش فیض عام سے
کانٹے پڑے زبان مین پھولون کے نام سے

پھر آزادی کے بعد ملک کی حالت کا بہترین نقشہ ان اشعار مین جوش نے پیش کیا ہے -

دولت ملی تو اور بھی نادار ہوگئے * صحت ہوئی نصیب تو بیمار ہوگئے
اترا جو باد اور گران یار ہوگئے * آزاد یون ہوئے کہ گرفتار ہوگئے
جتنے مٹے تو امن کی دولت نہین رہی * انسان کی وہ قدر و قیمت نہین رہی
حاصل ہوا عروج تو عزت نہین رہی * پائی جو حریت تو حرارت نہین رہی

جوش نے کھل کر ان تمام فرقون کی مزمت کی ہے جنھون نے صدیون کے خواب کی اسقدر بھیانک تعبیر پیش کی ہے - ہندوپاکستان مین مذہب اور فرقے کے نام پر کیا کیا نہ ستم ڈھائے گئے - اور معصوم انسانون کے تعین کو مذہب کے نام پر سرمایہ دارون نے کس طرح ایک دوسرے کے خلاف استعمال کیا -

ہر موئے زلف اینٹھ گیا مار بن گیا * ہر مہر کا خطیب جفاکار بن گیا
ہر صبح کا رسول شب تار بن گیا * ہر لوح اک اپنی تلوار بن گیا
سکھ نے گرو کے نام کو بٹہ لگا دیا * مندر کو برہمن کے چلن نے گرا دیا
مسجد کو شیخ جی کی کرامت نے ڈھا دیا * مجنون نے بڑھ کے پردۂ محمل گرا دیا

اک سوئے ظن کو غلغلہ علم کردیا * "مریم" کو خود "مسیح" نے بدنام کردیا

آزادی سے پہلے "کھدر" آزادی حریت اور قومی غیرت کا لباس (امتیازی) تھا لیکن آزادی کے بعد بھی "کھدر پوشی" ایک مکاری اور فریب مین تبدیل ہوگئی کیونکہ ہر شخص نے "کھدر" پہن کر اپنے آپ کو زبان سے تو مہاتما گاندھی اور جواہرلال نہرو کا چیلا کہتا تھا لیکن عمل مین وہ "ہٹلر" کا ساتھی تھا۔

سکون کی انجمن مین خریدار آگئے * سیٹھون کے خادمان وفادار آگئے
کھدر پہن پہن کر بداطوار آگئے * در پر سفید پوش سیہ کار آگئے

جو لوگ انگریز سامراج کے زمانے مین "ڈپٹی کلکٹر" بنے آزادی کے متوالون کو جیل کی سلاخون کے پیچھے ڈھکیلتے رہتے وہ لوگ آج "ڈپٹی" سے ترقی پاکر "کلکٹر" بنا دئے گئے ــــ

دیتے تھے صبح و شام سزائین و نا سزا * گردن پہ جن کی خون ہے مردان راہ کا
کل جن کی ڈپٹیون کا نشانہ تھے رہنما * ان ڈپٹیون کو ہم نے کلکٹر بنا دیا

اور آزادی کے بعد حکام کا رویہ وہی رہا ہے جو پہلے تھا۔

حکام مجرمون کے ہین دامن سیئے ہوئے * سی آئی ڈی ہے بادۂ غفلت پئے ہوئے
داروغہ جی ہین قول بدون کو دئے ہوئے * چورون سے کوتوال ہے سازش کئے ہوئے
برٹش کے خادمون کو اچھالے ہوئے ہین ہم
سانپون کو آستین مین پالے ہوئے ہین ہم

اس کے بعد جوش ان بدلے ہوئے حالات مین لوگون سے بغیر کسی زحمت کے حب الوطنی کے راگ الاپنا شروع کردئے حالانکہ کل تک ہی لوگ تھے جو آج قوم ملک وطن کی آزادی کا گن گارہے ہین۔ آج زندگی کے ہر شعبے پر ان لوگون کی حکمرانی ہے جو کل تک انگریز کی نمک خواری کا دم بھرتے تھے اور تاج

برطانیہ کے وفادار تھے - لیکن حالات کو بدلتے دیر نہین لگتی اسی سے فائدہ اٹھا کر موقعون پرستون نے عوام کو دھوکا دیا -

غدار تھے جوکل وہ محب وطن ہے آج * بدخواہ باغ ہمدم و سروسخن ہے آج
مفسد ہین فوج امن کے سالار آج کل * ڈاکو ہین سیم و زر کے نگہ دار آج کل
چنگیز خان ہین عیسی دوران بنے ہوئے * کانٹے ہین چوب خیمۂ بستان بنے ہوئے
برطانیہ کے خاص غلامان خانہ زاد * دیتے تھے لاٹھیون سے جو حب وطن کی داد
جن کی ہر ایک ضرب ہے ابتک سرون کو یاد * وہ آئی سی ایس اب بھی ہین خوش وقت نامراد
شیطان ایک رات مین انسان بن گئے * جتنے نمک حرام تھے کپتان بن گئے

جوش نے ان کھدر پوش لیڈرون کا بھرم کھول دیا جو کل تک آزادی کے نعرے لگاتے تھے لیکن جب اقتدار ملا تو یہ کھدر پوش بھی انگریزون کے نقش قدم پر چلنے لگے

ارباب اقتدار کا اللہ رے کمال * دیکھو تو سر بلند ٹٹولو تو پائمال
کالون کے عارضون پہ ہین گورون کے خط وخال * بھارت کا رنگ روپ ہے برٹش کی چال ڈھال
وحشت روا عناد روا دشمنی روا * ہل چل روا خروش روا سنسنی روا
رشوت روا فساد روا رہزنی روا * القصہ ہر وہ شے کہ ہے ناکردنی روا
انسان کے لہو کو پیو اذن عام ہے * انگور کی شراب کا پینا حرام ہے

ان تمام حالات مین ادیب وشعراء کی جو امیدین آزادی سے بندھی تھین وہ جون کی تون دھری رہ گئین - اور آزاد ہندوستان مین بھی شاعر و ادیب کل بھی فاقہ مست تھا اور آج بھی فاقہ مست ہے - البتہ کل تک جو انگریزون کی غلامی مین غیر محسوس کرتے تھے وہ آج گورنر بنادئے گئے ہین -

وہ شاعران قوم گران قدر و معتبر * رہتے ہین جن کے جیب مین اسرار بحر و بر
سورج پہ جن کا ہاتھ ہے اور پاؤن چاند پر * روٹی وہ ڈھونڈھتے ہوئے پھرتے ہین دربدر
کیا چیز ہے ادب یہ کوئی جانتا نہین * جانے وہ کیا جو حرف بھی پہچانتا نہین

شاعر ہو یا ادیب قلندر ہے آج بھی * انگریز کا غلام گورنر ہے آج بھی

ان تمام حالات کو بیان کرنے کے بعد جوش ایک نئے انقلاب کی طرف ذہن کو منتقل کردیتے ہین کیونکہ جس انقلاب کی امید پر لوگ جی رہے تھے وہ آس ٹوٹ گئی اور عوام کی حالت سدھرنے کے بجائے بگڑتی جا رہی ہے -

فٹ پاتھ کارخانے ملین کھیت بھٹیان * گرتے ہوئے درخت سلگتے ہوئے مکان
بجھتے ہوئے یقین بھڑکتے ہوئے گمان * ان سبسے اٹھا رہا ہے بغاوت کا پھر دھوان
شعلون کے پیکرون سے لپٹنے کی دیر ہے * آتش فشان پھاڑکے پھٹنے کی دیر ہے
وہ تازہ انقلاب ہوا آگ پر سوار * وہ نہ سنائی آنج وہ اڑنے لگے شرار
وہ گم ہوئے پہاڑ وہ غلطان ہوا غبار * اے بے خبر وہ آگ لگی آگ ہوشیار
بڑھتا ہوا فضا پہ قدم مارتا ہوا * بھونچال آرہا ہے وہ پھنکارتا ہوا

یہ اس شاعر کے احساسات ہین جس نے اپنے قلم سے آزادی کی لڑائی مین حصہ لیا - عوام کے دلون کو گرمایا - لیکن وہ بھی آزادی کے بعد قتل وغارت اور نا اہلون کی حکمرانی عوام سے کئے ہوئے وعدون کی پائمالی ان سب پر جوش حیران ہین -

جوش نے ان سماجی تاریخی حالات پر بہت گہری نظر ڈالی ہے جو سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد وجود مین آئے - اور ان اسباب وعلل کی وجوہات بھی بیان کردی ہین اس سے جوش کی بصیرت اور ان کے زاویہ نگاہ کا اندازہ ہوتا ہے -

ڈاکٹر منیب الرحمن !

منیب الرحمن ہمارے ملک کے ذہین اور مشہور شاعر ہین انھون نے "شہر آشوب جدید" لکھکر ان حالات کی نمائندگی کی ہے جو سنہ ۵۴-۱۹۵۳ء مین پاکستان مین رونما ہوئے ہین - ہندو پاک کو آزاد ہوئے چھ سات سال ہوئے لیکن سرمایہ دار سیاست دان اپنے اقتدار کو مستحکم بنانے کیلئے محب وطنی ادیب و

شعراء کو جیل کی سلاخون مین بند کر رہے تھے - پاکستان مین جمہوریت کا خون ہو رہا تھا - امریکی اور برطانوی از فریک سیاست دان حکومت کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تھے اور عوام کی وہی بدحالی اقتصادی پریشانی برقرار تھی - جو غلامی کے دور مین عوام پر مسلط کردی گئی تھی -

شہر آشوب جدید دراصل ترقی پسند تحریک کے رہنما سجاد ظہیر اور فیض احمد فیض کی گرفتاری پر ایک ہندوستانی اور ترقی پسند شاعر کے احساسات ہین جو لندن مین بیٹھ کر لکھے گئے ہین -

دونون ملک آزاد ہوئے لیکن آزادی کا احساس عوام کو نہ ہونے پایا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس آزادی مین عوام کا حصہ کم اور سیاست دانون کا حصہ زیادہ رہا ہے -

وطن سے دور یہ کہتا تھا کوئی * مرے ہمدم جہان تھے ہم وہین ہین
ابھی بدلا نہین رنگ شبینہ * وہی محفل وہی محفل نشین ہین
وہی انداز ہین تیرے وطن کے

پاکستان ایک اسلامی ملک ہونے کا دعوی کرتا ہے لیکن وہان آزادی اور حق گوئی و بیباکی کا گلا گھونٹا جا رہا ہے - انگریزون کی غلامی اور پاکستانی حکمرانون کے آزاد ملک مین کوئی فرق نہین ہے - وہی انگریز سامراج کا بدلا ہوا روپ ہے -

وہی مجلس وہی طوق و سلاسل * وہی آہین پس دیوار زندان
وہی سازش کی افسانہ طرازی * وہی ملت سے غداری کے بہتان
ہمارے حاکمون کا پوچھنا کیا * وہین لندن اور واشنگٹن کے دربان

ملک کے کسانون اور مزدورون کی وہی بدحالی ہے جو پہلے تھی -
کمر خم ہے کسانون کی ابھی تک * وہی اونچا زمیندارون کا سر ہے
ہو روز عید یا ماہ محرم * ہمیشہ بزم ماتم اس کے گھر ہے

پھر اس حالات کی طرف اشارہ ہے جو سنہ ۱۹۴۷ء مین نقل آبادی کے سلسلہ مین وجود مین آئے - ہر شخص اپنے ہی وطن مین اجنبی ٹھرا - ملک کی تقسیم کے ساتھ ساتھ دل بھی تقسیم ہوگئے - اس تقسیم مین کوئی مہاجر ہوگیا تو کوئی شہداء بھی بن گیا - لیکن اس دردناک سانحہ مین غریبون کا کہین بھی کوئی یار و مددگار نہین رہا - ہر جگہ ان کے سواگت کیلئے مشکلین آفتین تیار کھڑی تھین -

پڑے ہین شاہراہون پر مہاجر * غریبون کا نہین کوئی ٹھکانہ
دیار اجنبی مین کون کس کا * ستم کا چاہئے کوئی بہانہ
سپاہی کی بندھی ہے ان سے رشوت * زبان زد اس کی ہیبت کا فسانہ

عوام کی حالت زار تو یہ تھی دانشورون کی زبان پر پہرے بٹھا دئے گئے تھے اور فیض و سجاد ظہیر کو راولپنڈی سازش کیس مین سلاخون کے پیچھے طویل مدت کیلئے بھیج دیا گیا تھا -

کبھی دیکھے ہین اہل علم رسوا * دکھاؤن آتجھے یہ تلخ منظر
اسے کہتے ہین قدر فضل و دانش * ظہیر و فیض ہے زندان کے اندر
اڑا جائے گا سر اس ادب کا * نہین جو حاکمون کا مدح گستر

پاکستان کے حکمرانون کی ذہنیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے -

ہر اک کو ہے یہان فکر معیشت * ہزارون کا نہین ہوتا گزارا
پر اب کہتے ہین ارباب حکومت * خدا تیرا ہے باقی سب ہمارا

شاعر اس آزادی کو جو سنہ ۱۹۴۷ء مین حاصل ہوئی - اس سے اسلئے ناخوش ہے کہ اس مین صرف ایک طبقے کا فائدہ رہا - اور نظام حکومت جون کا تون برقرار رہا - وہی جوروستم کا بازار گرم ہے - عوام کی وہی حالت ہے جو پہلے تھی لیکن شاعر کی بصیرت اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ یہ سرمایہ دارانہ نظام اب زیادہ

دنون تک چل نہین سکتا کیونکہ غلام ایشیاء اب کروٹ لے رہا ہے - ہر ملک مین آزادی کی لہرین دوڑ رہی ہین - اور عوام ظالم سرمایہ دارون اور انگریز و امریکی سامراج سے برسر پیکار ہین - اور ایک نہ ایک دن عوام کے خواب ضرور پورے ہونگے -

ہوئی بیدار خلق ارض مشرق * پھر اک جنبش ہے جسم ایشیاء مین
جنھین تخریب عالم کے تھے ارمان * ذلیل و خوار ہین وہ کوریا مین
ہوئی ہے چین کی ہیبت دگرگون * حیات نو ہے اسکے دست و پا مین
صدأون سے ہے لرزان ملک ایران * چلین گی آندھیان پھر اس فضا مین
نئے آئین ہین بزم کہن کے

آخر مین شاعر عوام سے خطاب کرتا ہے اور انھین ان کی خاموشی پر جھنجھوڑتا ہے کہ دیکھو تمام ایشیاء کے ملک انگریزی اور امریکی سامراج کو اپنے ملکون سے مار بھگا رہے ہین اور ان کے جانشینون کا بھی بہت برا حال ہے - تم لوگ کب تک ظلم سہوگے اور کب تک زندگی کی مسرتون سے محروم رہوگے -

اٹھ اب خواب گران سے میرے بھائی * سہے گا کب تلک بیدار اظہار
غلامی مفلسی ادبار و نکہت * نہین کیا روح تیری ان سے بیزار
لہو سے سینچ کر یہ کشت ویران * کرین خاک وطن کو رشک گلزار
اسیران قفس توڑین قفس کو * کہے یہ طائر رنگین گفتار
مبارک ہو پھر دن اس چمن کے

اس شہر آشوب جدید مین شاعر کے پیش نظر تمام اسباب و علل ہین شاعر تاریخی سیاسی سماجی تبدیلیون کا واضح شعور رکھتا ہے - اور عوام کو اس سے نجات حاصل کرنے کا راستہ بھی دکھاتا ہے - شاعر واضح طور پر طبقاتی کشمکش کو ظاہر کرکے عوام اور عوام کو لوٹنے مین فرق کرتا ہے - اپنے ملک کی آزادی اور دوسرے ملکون کی آزادی کا فرق عوام کو دکھاتا ہے اور انھین جدوجہد کی

دعوت دیتا ہے کہ یہ آزادی کی پہلی منزل ہے ابھی تو ہمین اپنون سے بھی آزادی حاصل کرنا ہے -

آزادی کے بعد دوسرا اہم شہر آشوب ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی نے لکھا ہے - اس شہر آشوب کو پڑھتے ہوئے بے ساختہ سودا کی یاد تازہ ہوجاتی ہے - ایک تو اس حیثیت سے کہ یہ سودا کے مشہور شہر آشوب "کہا یہ آج مین سودا سے کیون ہے ڈانواڈول" زمین مین ہے - دوسری وجہ یہ ہے کہ سودا نے جس طرح سے اپنے دور کی روح عصر کو بڑی کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے اس طرح خلیل الرحمن اعظمی نے بھی بڑی کامیابی سے ان حالات کو جو آزادی کے کئی سال بعد رونما ہوئے اپنے شہر آشوب مین بہت ہی دلکش اور موثر پیرایہ بیان مین پیش کیا ہے -

یہ اس شاعر کا شہر آشوب ہے جس نے آزادی کے خواب دیکھے تھے اور آزادی کی جدوجہد مین ہندوستان کے اور ترقی پسند شعراء کے دوش بدوش اپنے قلم سے انگریز سامراج کی لائی ہوئی لغشون کے خلاف لڑتا رہا - آزادی سوشلزم اور ترقی کے ان نعرون کو جو روز ہمارے بڑے بڑے رہنماؤن مین دس مرتبہ اپنی تقریر مین دہراتے تھے یہ بھی انھین نعرون کو علمی جامہ پہنانے کیلئے قلم سے لڑتے رہے - لیکن جب آزادی آئی تو جو توقعات وابستہ تھین وہ کانگریس حکومت سے پوری نہ ہوسکین اور نتیجہ بالکل الٹا نکلا ـــ کہان سوشلزم کی بات اور کہان بیروزگاری آئے دن کے فرقہ وارانہ فسادات اسمبلی اور پارلیمنٹ مین ان لوگون کی اکثریت تھی اور اب بھی ہے جن کے ذہنون مین ملک کی ترقی کے بجائے "بینک بیلنس" کا خیال زیادہ رہا - جو لیڈر بلند بانگ گلا دعوی کیا کرتے تھے وہ بقول اکبر آلہ آبادی ـــ " قوم کے غم مین ڈنر کھاتے ہین حکام کے ساتھ " والی کیفیت پیدا ہوگئی ـــ

خلیل الرحمن اعظمی نے جس طرح سے تمام سیاسی سماجی اقتصادی تہذیبی ادبی علمی ادارون اور افراد کا جائزہ لیا ہے وہ ملک کی آزادی کے

۱۴ سال بعد کا مشاهده هے اور ان کے اپنے مشاهده کا نچوڑ هے -

یه اس شخص کا شہر آشوب هے جس نے اپنی شاعری کے ذریعے انسانیت درسی اور عالمی اتحاد بھائی چارہ کا پیام دیا - لیکن وہ خود اپنے نئے شعری مجموعه "نیا عہد نامه" کے مقدمه مین ان حالات کی طرف اشاره کرتے هین جنھین آزادی کے وقت انھین دوچار هونا پڑا ـــ "ستمبر سنه ۱۹۴۷ء مین دهلی سے علی گڑھ آتے هوئے ٹرین مین مین نے اپنی موت کو خود اپنی آنکھون سے دیکھا اور اس سفر کی تاب نه لاسکا - هوش آیا تو اپنے آپ کو جامع مسجد دهلی کے ایک ریلیف کیمپ مین پایا اور پھر اس کے بعد جامعه ملیه مین تین مهینه تک حیات و مرگ کی کشمکش مین مبتلا رها -[1]

اس کے بعد آزادی کا دور دوره شروع هوا لیکن جو سیانے خواب تھے وہ چکنا چور هوگئے - اور پھر نگاهون کے سامنے ایک طویل جدوجہد آگئی جن تصورات سے آس لگائے بیٹھے تھے وہ آئے ضرور لیکن ان کا جام دوسرون تک محدود رها اور هندوستان کے کروڑون لوگون کی تشنگی باقی رهی - پھر شاعر اس جد و جہد مین لگ گیا که کوئی بھی تشنه طلب نه رهے - اپنی نظریات کی بنا پر خلیل الرحمن اعظمی جوکه انجمن ترقی پسند مصنفین علی گڑھ کے سکریٹری تھے سنه ۱۹۴۹ء ٹھیک آزادی کے دو سال بعد ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت گرفتار کرکے جیل کی سلاخون کے پیچھے ڈال دیا گیا - اور چار مہینه قید و بند مین رهنے کے بعد رهائی نصیب هوئی - لیکن شاعر پھر بھی حالات سے مایوس نہین تھا - کیونکه دو سال پہلے هی آزادی ملی تھی لیکن حالات کے سدھرنے کا کوئی سوال هی نہین تھا -

یه شہر آشوب سنه ۱۹۶۱ء مین لکھا گیا جب که ملک کو آزاد هوئے ۱۴ سال کا طویل عرصه گزر چکا تھا - اس شہر آشوب مین روح عصر کی چابکدستی سے عکاسی

---

۱- نیا عہد نامه " مقدمه " صفحه ۱۵

کی گئی ہے - یہ دلی شاعر کا شہر آشوب ہے جو زندگی کے متعلق صحت مند نظریہ رکھتا ہے جو اپنے عہد کا ممتاز ترین شاعر ہے جو زمانے کے نشیب و فراز کو اچھی طرح پہچانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ آج ملک اس حالت مین کیون ہے اور اس کے اسباب کیا ہین ـــ اور کیون نا اہلون کو فروغ حاصل ہے -

جناب اعظمی کیون آپ ہین اداس و ملول * ہوا ہے خانہ دل مین یہ کس بلا کا نزول
ہین بال بال پریشان اٹی ہوئی ہے دھول * کسی سے بات بھی کرتے ہین اب تو اول جلول
کہان گیا وہ توازن و ضبط غم کے اصول

پہلے بند مین شاعر سے سوال کرنے والا اسکی حالت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور دوسرے بند مین شاعر اپنی اس حالت کی وجہ سوال کرنے والے کو یہ بتاتا ہے کہ خدا نے جسے بھی آنکھین دی ہین مگر آجکل کے حالات کو دیکھتے ہوئے سوچ رہا ہون کہ آنکھین کھلی رکھون یا بند کرلون کیونکہ یہ مناظر میری برداشت سے باہر ہین اور مین نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ یہ دن دیکھنا ہوگا کیونکہ زمین و آسمان سب بدل گئے ہین -

عزیز ہین جسے کچھ بھی نہین ہوا ہے مگر * خدا نے دی ہین جو آنکھین یہ میرے چہرے پر
سمجھ مین اب نہین آتا کھلی رکھون کیونکر * مجھے عجیب سا لگتا ہے آج ہر منظر
بدل گئے ہین زمین و زمان کے سب اصول

شاعر کہتا ہے کہ آزادی ملی اب شہرون مین خوب رونق ہے نئے نئے کارخانے بن رہے ہین نئی نئی اسکیمین تیار ہو رہی ہین ملک کی ترقی کے کاغذی پیرہن تیار ہین اور آج انگریز سامراج کی لوٹ کھسوٹ اور غلامی کی لعنت کا کوئی ڈر اور خطرہ نہین ہے لیکن انسانیت کا کوسون پتہ نہین ہے اور ہر طرف زاغ و زغن اور چغد چنڈول کی حکمرانی ہے -

ہے چہل پہل بہت شہر خوب ہین آباد * مگر کہین نہین ملتی ہے روح آدم زاد
جسے قریب سے دیکھو وہی ہے گرگ نژاد * چمن مین آج نہین کوئی خطرۂ صیاد
کہ ہین بھرے ہوئے زاغ و زغن چغد چنڈول

اس دور مین عوام کی حالت یہ ہے کہ اہل کمال مفلسی کا شکار ہین اور جاہل جن کے پیچھے ووٹون کی قوت خرید ہے وہ ترمال اڑا رہے ہین - اور جو کوئی بھی

جائز کمائی حاصل کرنا چاہتا ہے وہ فاقہ کررہا ہے اور بلیک مارکیٹنگ کرنے والے دلال مزے لوٹ رہے ہین -

ذلیل و خوار وہی ہین جو اب ہین اہل کمال * ہین فاقہ مست جواب ڈھونڈھتے ہین اکل حلال
نہین شریفون کو ملتی ہے آج روٹی دال * مگر رذیلون کی جھولی مین ہے ہر اک ترمال
انہین یہ فضل خدا ہے کہ جو ہین سخت فضول

اسی کی آو بھگت جس کو آئے دلالی * جو کھودتا ہے جڑین سب کی ہے وہی مالی
اسی کا نام مسیحا ہے جو پامالی * اسی کو عدل کا دعوی جو عدل سے خالی
اسی کی عقل کا چرچا کہ جو ہے نا معقول

اوپر دو بندون مین شاعر نے ان طبقون کی بہترین عکاسی کی ہے جو آزادی کے بعد آزادی کے نام کی روٹی کھا رہے ہین حالانکہ آزادی مین ان کا کوئی حصہ نہین تھا ہان کھدر ضرور پہنا ہوگا -

بغل مین جس کی ہو ردیون کا پشتارہ * اسی کے علم کا بجتا ہے خوب نقارہ
وہی ہے صاحب فن جو ہے فن کا ہرکارہ * وہ جس کا نام چلے ہے اسی کا پو بارہ
جو منبرون پہ کھڑا ہو وہی ہے آج رسول

جو اپنی ذات سے اک مرکز جہالت ہو * جو کوڑھ مغز ہو جو تودۂ حماقت ہو
وہ جسکی منصب اعلی کے بل پہ شہرت ہو * اسی کو پیش ہر اک کرسئ صدارت ہو
اسی کے سر پہ نچھاور ہون ساری قوم کے پھول

ان اشعار مین شاعر نے ملک کی تعلیمی حالت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس کے نام کے آگے ڈگریون کا ڈھیر لگا ہو - اسی کی علمیت اور قابلیت کی دھاک بیٹھ جاتی ہے اور اس کی علمیت اور قابلیت خواہ صفر کے برابر کیون نہ ہو - آجکل اسی شخص کو پوجا جاتا ہے جو جاہل ہے اور اگر کوئی جاہل کم علم کسی بڑے منصب پر فائز ہے تو ہر جلسہ کی صدارت اس کے سپرد ہوتی ہے اور ساری قوم

اسی کو رہنما سمجھتی ہے - یہ طنز ذہن کو اس طرف لے جاتا ہے جس کا مظاہرہ آج کل ہم اسمبلی اور دوسری جگہون پر دیکھتے ہین اور وہ شخص اعلی کرسی پر فائز ہے جس کے پاس روپیہ ہے جو دس لاکھ روپیہ خرچ کرکے ووٹ خرید کر ایم - ایل - اے ہوتا ہے اور پھر اقتدار سنبھلتا ہے - تعلیم گاہون کا بھی وہی حال ہے صحیح تعلیم کا فقدان اور سفارشی لوگون کا انتخاب بڑی آسانی سے ہوجاتا ہے اور مستحق اور حقدار منہ دیکھتے رہ جاتے ہین - حالانکہ آزاد اور ترقی یافتہ ملکون مین سب سے باعزت پیشہ تعلیم کا ہونا ہے لیکن یہان ـــــ

وہ درس گاہون مین تعلیم پڑھین اب ماہور * کہ جن مین علم نہ دانش نہ زندگی کا شعور
کسی کے رخ پہ خیانت کسی کے سرمین فتور * ملے جو موقع تو بن بیٹھین نادر و تیمور
یہ دیکھے ڈگریان کرے ہین انکے دام وصول

مختلف یونیورسٹیون اور کالجون مین لکچرر اور پروفیسر کا آج کل جس طرح تقرر ہورہا ہے اور ان تقررات کے پیچھے جو سفارشین اور دوسرے سماجی سیاسی محرکات کارفرما ہین اس کی بدولت اس پیشے کی تذلیل ہو رہی ہے کیونکہ نااہل سے نااہل آدمی ہی پروفیسر ہوجاتا ہے اور قابل سے قابل ترین بھی جوتیان چٹخاتا پھر رہا ہے - پروفیسری علمی کا اعلی ترین منصب ہے لیکن آجکل کے پروفیسر جنگی کے افسر کی طرح صرف تنخواہ سے مطلب رکھتے ہین پڑھائی سے کوئی سروکار نہین -

وہ جن کے نام کے آگے لگا ہے پروفیسر * کوئی غلام چڑی کا ہے کوئی جوکر
کسی کا چہرہ ہونق کسی کا دل پتھر * اکڑتے پھرتے ہین یون جیسے جنگی کے افسر
یہ جمع کرتے ہین بازار علم کے محصول

آجکل کے نوجوانون مین جس طرح فیشن اختیار کرنے کا شوق بڑھ رہا ہے وہ خدا جانے ملک کو کہان لے جائیگا - ان مین نہ تعلیمی شوق ہے نہ ترقی کی جدوجہد مین پورے اترتے ہین نہ بات کرنے کا سلیقہ ہے نہ ادب کا ذوق ہے نہ علم کی

پیاس شعر اور فلسفہ ان کی سمجھ سے بالاتر ہے پڑھائی کی طرف دھیان نہین - ملک کہان جا رہا ہے اور ملک اور دنیا مین کیا ہو رہا ہے اس سے انھین کوئی سروکار نہین ہے بلکہ وہ اپنے آپ کو کسی طرح سے بھی دلیپ کمار بنا سکین اور چست لباس زیب تن کرسکین اس کے علاوہ انھین اور کوئی ذوق نہین ہے - لڑکیون کا بھی یہی حال ہے اپنے مشرقی حسن کو چھوڑکر مغربی تہذیب کی آندھی نقالی کی طرف مائل ہین اور ہندوستانی روایات سے ایک دم ناآشنا اور نئے فیشن کی دلدادہ -

جو دیویان تھین وہ کرتی ہین اب نئے فیشن * کوئی ہے زلف بریدہ تو کوئی کجلی بن
بتائے کون کنواری ہین یا کہ یہ دلہن * نہ انکی مانگ مین سیندور نہ ہاتھ مین کنگن
نہ ان کی ناک مین تنکا نہ انکے کان مین پھول

پھر شاعر ادب کی آجکل جو حالت ہوگئی ہے اس کی طرف اشارہ کرتا ہے اور مشاعرون مین آجکل شعر پر داد ملنے کے بجائے لوگ شاعر کی آواز کی تعریف کرتے ہین اور اس کے ترنم پر مرد ہنستے ہین - آج کل جس طرح سے شعر و ادب کا مزاج پسند ہو رہا ہے اور مشاعرون کا جو کردار " اصلاح زبان " تھا وہ ختم ہوگیا بلکہ آجکل مشاعرے سر تال کے بغیر کامیاب نہین ہوتے -

مشاعرون مین غزل خوان ہین شاعران کرام * سنا رہے ہین بڑے تال و سر سے اپنا کلام
جو کامیاب گوئے ہین انکے اونچے دام * بدل سمجھتا ہے مجھے کو اسکا مجمع عام
غزل ہو پست تو کچھ اور ہوتی ہے مقبول

مشاعرون سے ہٹ کر رسالون مین بھی آجکل جدید شاعری کے نام پر جس طرح کی چیزین لکھی جا رہی ہین ان کا سر پیر کہان ہے یہ بتانا مشکل ہے اور جہان ایک نظم لکھی اور اپنے آپ کو شاعر اعظم سمجھ بیٹھے فن سے ریاض کرنا تو ان لوگون نے سیکھا ہی نہین ہے -

پڑھے لکھون مین نئی شاعری کا چرچا ہے * ہر ایک مجتہد عصر بن کے بیٹھا ہے
مگر رسالون مین ایسا کلام چھپتا ہے * کہ جس کا کوئی نہ الٹا ہے اورنہ سیدھا ہے
ہے نقارون کی مخرا یہ بیٹھائین اسکی چول

ملک مین نقادون کا یہ حال ہے کہ یہ نقاد کم اورکسی مدرسہ کے استاد زیادہ معلوم ہوتے ہین کیونکہ نقاد کے منصب سے یہ لوگ اس لئے واقف نہین کہ ان کے یہان علمیت کی کمی ہے اور رٹی رٹائی باتون کو دہرا کر اور چند مخصوص جملون کو چست کرکے یہ اپنے آپ کو نقاد کہلاتے ہین ادب کا یہ حال ہے نقادون کی کمی اور پبلشرون کی یہ حالت ہے کہ اگر وہ کوئی ادبی کتاب شائع کرین تو اسکی لاگت نکلنا مشکل ہے منافع تو درکنار - اس کے مقابلے مین گھٹیا درجے کا ادب آجکل ہر ایک اسٹال کی زینت بنا ہوا ہے اور اس سے منافع بھی خوب ہوتا ہے کیونکہ ان کی فروخت سب سے زیادہ ہے اسلئے کہ عوام کا ادبی معیار گر گیا ہے -

یہان ادیب تو کم ہین مگر سب نقاد * کہ جن کا علم سب مرمری و نام و نہاد
کوئی کلرک کوئی مدرسہ کا ہے استاد * اٹی اٹائی سی کچھ اصطلاحین ان کو یاد
ہے ناشرون کو شکایت ادب نہین یکتا * وہ سوچتے ہین کرین کاروبار کوئلہ کا
وہی کتابین جو ہین فحش مبتذل گھٹیا * بس انکو چھاپ کے ہوتا نہین کوئی گھاٹا

ملک کی فلم انڈسٹری جو نوجوانون کے ذہنون پر اور عوام کے لئے ایک بہترین تفریحی اور معلوماتی ادارہ ہے اس سے مفید کام ہے جاسکتے ہین لیکن اس پر بھی ان لوگون کی اجارہ داری ہے جو صرف روپیہ کے مالک ہین اور انہین فلم کے اعلیٰ معیار سے غرض نہین بلکہ وہ سڑی ہوئی کہانی جس مین سستی روحانیت ہو گانے اور ناچ کی بھرمار ہو یا کسی آنی بنیاد پر بناتے ہین ان مین کوئی نیاپن نہین ہوتا کیونکہ آجکل جو لوگ فلم کے ناخدا ہین وہ سیٹھ ساہوکار ہین - اور انہین صرف منافع سے مطلب ہوتا ہے اور پھر انہین گھٹیا درجے کے فلمون کی گونج کالج و بازار اور اسکول مین سنائی دیتی ہے -

وہی گھسے ہوئے قصے وہی پٹے کردار * وہی سڑی ہوئی رومانیت کہ جسکا شکار
تمام کوچہ و بازار کالج و اسکول

اچھا ادب لکھا جارہا ہے لیکن کیسے کہان یہ سوال آج کل بہت اہم ہے کیونکہ عوام کا مذاق ایک تو گھٹیا درجے کی فلمون نے بگاڑ رکھا ہے دوسرے گلے باز شاعرون نے شعر و سخن مو بدتری کر رکھا ہے گھر گھر جہان نذیر احمد پریم چند کی کتابین پڑھی جاتی تھین اب جاسوسی ادب کی ڈمانڈ ہے اور لوگ اسی کے منتظر رہتے ہین کوئی شخص اگر پریم چند کا "گئودان" یا " ایک چادر میلی سی" اگر نہین پڑھتا ہے تو کوئی مضائقہ نہین لیکن اگر "فلم فیر" کسی ہفتے کا چھوٹ جائے تو اپنی زندگی مین ایک کمی سی محسوس کرتا ہے کیونکہ اس کا تعلق بھی فلمون سے ہے اور فلم فیشن کا مرکز ہے -

منگائی جاتی ہین جاسوسی ناولین گھرگھر * عجیب نشہ سا ہوتا ہے جن کو پڑھ پڑھکر
کمی سی رہتی ہے ملتا نہین جو فلم فیر * ریلیز کیون نہ ہون بن رہی ہے جو پکچر
پہن کے نکلے گے جس مین گد ہے سنہری جھول

ملک مین آجکل نوجوانون مین اپنی روایات اور سماجی بندھنون کو توڑنے کا جو خبط سوار ہوا ہے وہ ایک مہلک مرض بن گیا ہے اپنے باپ دادا کی روایتون کو غلط سمجھنا اور خود کو روشن خیال تصور کرنا اور بغاوت کے نام پر ہر اچھی روایت کا گلا گھونٹنا یہ سب آجکل عام بات ہے -

ہمارے مورث اجداد پیٹتے تھے لکیر * اسی لئے تو رہے وہ گئے حقیر و فقیر
مگر یہ ہم کہ جو روشن خیال و باتدبیر * رہین گے توڑ کے رسم و رواج کی زنجیر
رہیگا اب نہ کوئی فرق فاعل و مفعول

اسی بند مین شاعر کہتا ہے کہ سوسائٹی کی جن خرابیون اور غلط روشنی کی طرف مین نے اوپر اشارے کئے ہین ان کو لوگ برداشت نہین کر سکین گے کیون کہ سچ سب کڑوا ہوتا ہے لیکن کیا کیا جائے کہ اب وہ زمانہ لد گیا تمام رسم و رواج بدل

گئے ایک نئی اور انوکھی دنیا جنم لے رہی ہے اب ہم کب تک اس گزرے ہوئے دور کا ماتم کرینگے اسلئے خاموشی اختیار کرنا ہی بہتر ہے -

اب اسکے آگے کہونگا تو ہونگے سب برہم * اگرچہ اس مین نہین جھوٹ کچھ خدا کی قسم
بدل گیا وہ زمانہ بدل گئے موسم * گئے دنون کا کہان تک کرینگے ہم ماتم
اسی مین خیر ہے اب اور دین سخن کو نہ طول

اختر انصاری

"درد و داغ" کے نام سے ہند و پاک کے مشہور شاعر اختر انصاری نے ایک "شہر آشوب" مثنوی کے نام مین لکھا ہے - یہ شہر آشوب عام روایتی طور کا نہین ہے بلکہ یہ اس شاعر کا شہر آشوب ہے جس نے اردو ادب کے ہر صنف سخن مین کچھ نہ کچھ اضافے کئے ہین - ان کی شاعری مین نعرون کی گونج نہین ہے - بلکہ غم دوران کو اپنے اندر جذب کرکے اسکو غم ذات کا درجہ عطا کیا ہے پھر ان خیالات کو دھیمی دھیمی آنچ دے کر شعرون مین ڈھال دیا -

اختر انصاری کی شاعری تعارف کی محتاج نہین ہے اور نہ ہی ان کا تعارف مین کرا سکتا ہون اس مثنوی "شہر آشوب" مین وہ خصوصیت ہے جو میر کے شہر آشوب مین ملتی ہے - میر کا غم اور اور انہین جن حالات کا شکار ہونا پڑا کم و بیش انہین حالات سے انہین بھی گزرنا پڑا - اختر انصاری نے بھی اپنے عہد کی جن عظیم تبدیلیون کو خود لکھا اور محسوس کیا وہ ان کا اپنا زاویہ نظر ہے یہ شہر آشوب ان تجربات اور مشاہدہ کا نچوڑ ہے جو کم از کم ۳۰ ۳۵ سال کی زندگی کا حاصل ہے -

اختر انصاری نے آزادی کی جدوجہد کے وہ دن بھی دیکھے تھے جب غلام ہندوستان کے چپے چپے پر آزادی کی جدوجہد چل رہی تھی - عوام اپنے سینون پر گولیان کھاتے تھے اور "ہندوستان چھوڑ دو" کا نعرہ بلند کرتے تھے - بنگال پنجاب

اور تلنگانے مین انقلابی تحریکین چل رہی تھین - ۲۶ جنوری سنہ ۱۹۲۶ء کے کراچی کانگریس مین شوشلزم کا جو اعلان تھا وہ عوام کو ایک سہانے خواب دکھا رہا تھا - ملک کی آزادی شوشلزم کا قیام عوام کا افلاس اور بدحالی دور ہوگئی سکھ چین نصیب ہوگیا اور فخر سے سر کو اونچا اٹھائے آزاد ہندوستان کے شہری کی حیثیت سے ساری دنیا مین گھوم سکین گے - لیکن انگریز سامراج ہندوستان کے دو ٹکڑے کرنے مین کامیاب ہوگیا اور پھر سنہ ۱۹۴۷ء مین جو کچھ ہوا وہ ظاہر ہے لاکھون انسانون کا قتل اور ایک ملک سے دوسرے ملک کو ہزارون معصوم انسانون کی ہجرت اور نئے نئے مسائل پیدا ہوگئے -

یہ مثنوی بھی اختر انصاری نے آزادی کے ٹھیک ۱۸ سال بعد لکھی ہے جبکہ ۱۸ سال قومون کی تاریخ بدلنے کیلئے ایک طویل مدت ہوتی ہے لیکن ہمارے ملک مین اٹھارہ سال بس اسطرح گزر گئے جس طرح پلک جھلکنے مین سحر ہوجاتی ہے - حالانکہ اس دور مین ملک مین کئی بڑی بڑی تبدیلیان ہوئین صنعتی حیثیت سے ملک کی ترقی ہوئی اور جمہوری نظام ایک عرصہ سے ملک مین رائج ہے - ہر پانچ سال بعد الیکشن ہوتا ہے اور الیکشن کے ساتھ ہی ساتھ ملک کی ترقی کا "پانچ سالہ منصوبہ" بھی سامنے آتا ہے بعض علاقون مین لوگون کا معیار زندگی اونچا ہے - تنخواہون مین اضافہ ہوا - لیکن گرانی بھی اس سے دوگنی بڑھتی گئی - ایمانداری اور خلوص و مروت کی جگہ بے ایمانی رشوت خوری چور بازاری بیروزگاری اور عالم معاشی بدحالی مین اضافہ پر اضافہ ہوتا جارہا ہے - اعلی طبقہ امیر سے امیر ہوتا جا رہا ہے اور نچلا طبقہ غریب سے غریب ملک مین ہر طرف بدنظمی پھیلتی جا رہی ہے اور خود شعر و ادب کے میدان مین بھی سکون میسر نہین ہے شاعر اور ادیب کا اس سماج مین وہ مقام نہین ہے جو ترقی یافتہ اور آزاد ملکون مین ہوتا ہے چونکہ شاعر حساس طبیعت کا مالک ہوتا ہے اسلئے وہ ان نا انصافیون اور ملک کی بدحالی پر بلبلا اٹھتا ہے -

آدم کے لہو سے ہوئین شمعین روشن * سینچے گئے انسان کے پسینے سے چمن

لاشون پہ اٹھائے گئے قصر و ایوان * زخمون سے سجائے گئے قصر و ایوان
وہ مفت احساس کی نافرجامی * پاکیزہ امنگون کی وہ بد انجامی
ملحول و وراثت کی وہ ظالم چکی * عمران ہیشت کی وہ ظالم چکی
اس چکی مین پستے ہوئے دانے کیا کیا * دل ذہن جگر اور نہ جانے کیا کیا
انسان کی نسلون کو کچلنے والا * دنیا کی بہارون کو نگلنے والا
دن رات وہ کھپتی ہوئی جانین لاکھون * گڑتی ہوئی سینون مین سناتین لاکھون

ان حالات مین شاعر کا ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ آخر انسانون کا کیا قصور ہے کہ وہ بھوک افلاس بیروزگاری اور مصیبت کا شکار ہو رہے ہین اور ہم پھر بھی فخر سے کہتے ہین کہ ہم آزاد ہندوستان کے باشندے ہین لیکن آج عوام کا جو حال ہے وہ یہ ہے -

بند اپنے وہ کستی ہوئی انسان کی ہوس * انسان کو ڈستی ہوئی انسان کی ہوس
چھائی ہوئی چارون طرف اک نوچ کھسوٹ * انسان کے ہاتھون وہ خود انسان کی لوٹ
وہ نکہت و احساس کے پالے انسان * انسان کے جھڑون کے نوالے انسان

اور آج اس انسان کی یہ حالت زار ہے جس نے اپنی آنکھون مین سیانے سپنے دیکھے تھے اور آزادی کیلئے کتنی امنگون سے سب کچھ لٹا دیا تھا - لیکن آج اسکو سوشلزم کے نام پر اسکی یہ حالت بتادی ہے -

وہ کاہ نما کانپتے انسان ہے ہے * بیلون کی طرح کانپتے انسان ہے ہے
چہرے پہ زمانے کی خراشون کے نشان * اندر کی سسکتی ہوئی لاشون کے نشان

آج کسی بھی شہر کی ایک شاہراہ پر کھڑے ہوجائے یا پھر دفترون اور کارخانون اسکولون اور یونیورسٹیون مین چلے جائے اس کانگریسی حکومت نے انسانون کے چہرون سے ان کی رونقین تک چھین لی ہین اور انکے چہرون کی ایک ایک لکیر اپنے آپ بول اٹھے گی ـــــہ

نادار ی و عبرت کے کھوکون کے نقوش * آلام و مصائب کے ہٹوکون کے نقوش
ویران سی بے جان سے بے نوا آنکھین * ظلمت بھری رشک شب دیجور آنکھین
نظرون مین سلائے ہوئے میت گویا * ناند ھون پہ اٹھائے ہوئے میت گویا
بدکار سیاست کے مکائد کے شکار * بدکیشین قیادت کے مفاسد کے شکار
پھنکتے ہوئے دن رات مشینون مین وہ لوگ * ڈوبے ہوئے محنت کے پسینون مین وہ لوگ
وہ لوگ کہ انکے سے کسی کے نہ ہون ٹھاٹھ * جو پاؤن مین جوتے کی جگہ باند ھلین ٹاٹ

یہ ہین وہ بچے جو کل آزاد ہندوستان کے آزاد شہری بننے والے ہین

سوئی ہوئی آنکھون مین وہ محرومی بخت * معصوم رخون پر اثر شومیٔ بخت
شیطان بھی دیکھے تو زمین مین گڑجائے * رخسار جہنم پہ طمانچہ پڑجائے
دیکھے کوئی بندہ تو خدا سے پھر جائے * نبیون سے رسولون کی ولا سے پھرجائے

ان ماؤن کی حالت دیکھئے جو جواہر لال نہرو ابوالکلام آزاد اقبال مولانا حسین احمد مدنی بھگت سنگھ سوبھاش چندر بوس سروجنی نائیڈو رفیع احمد قدوئی مولانا حفظ الرحمن جیسے بلند پایہ رہنماؤن کو دور غلامی مین جنم دے چکی ہین اور کل انکے جانشینون کو جنم دینگین جنکے کاندھے کو سارے ہندوستان کا بار اٹھائینگے لیکن ان کی یہ حالت ہے تو پھر کسطرح ہم امید رکھین کہ آگے زمانہ بدل جائیگا -

وہ عورتین کھسٹے ہوئے بالون والی * چکٹے ہوئے کپڑون پھٹے حالون والی
جان اپنی جو دن رات گھرون مین پیلین * ہر حال مین ہر رنگ مین پاپڑ بیلین

اور وہ دوشیزائین کہ کل جن پر ملک اور قوم کا بوجھ اور انکی تعلیم و تربیت سپرد ہوگی ان کی یہ حالت ہے -

کونپل کی طرح پھوٹتی دوشیزائین * وہ دل کی طرح ٹوٹتی دوشیزائین
جو ریت کے شعلون مین جلائی جائین * نذرون کی طرح پھسٹ چڑھائی جائین
دن انکے خزان دیدہ بہارون کے جلوس * راتین الم افروز نظارون کے جلوس
آنکھون سے وہ بہتے ہوئے دل اور جگر * پلکون ہی پہ رہتے ہوئے دل اور جگر

وہ خاک مین ملتی ہوئی رعنائی حسن * ہے ہے وہ سلگتی ہوئی ہرنائی حسن

ان تمام حالات سے بد دل ہوکر شاعر یہ چاہتا ہے کہ آخر ہمارے ملک کو جیسا ہونا چاہئے تھا ویسا نہ ہوا بلکہ سرمایہ پرستی کا شکار ہوکر رہ گیا ہے اور ہمارے سپنے سپنے ادھورے رہ گئے ہین -

بس جائین کسی اور جہان مین جائر * جا اترے کسی دوسرے سیارے پھر

لیکن شاعر پھر اپنے ارد گرد نظر ڈالتا ہے اور سوچتا ہے کہ آخر ہم اس نظام کو ہی کیون نہ بدل دین جس نے انسان کو انسان بننے سے روک رکھا ہے -

بنیاد ہی محفل کی بدل دی جائے * افتاد ہی محفل کی بدل دی جائے
جوعات کی تقسیم نئے طور سے ہو * میخانہ کی تقسیم نئے طور سے ہو
جینے کی نئی اک روش ایجاد کرین * مطلب یہ ہے دنیا نئی آباد کرین

اور آخر مین شاعر کہتا ہے کہ

رہتی ہے کسی اور ہی عالم کی تلاش * یعنی نئی دنیا نئے آدم کی تلاش

شاعر ان تمام حالات سے مطمئن نہین ہے اور آزادی کے اٹھارہ سال بعد بھی شاعر کو اسی دنیا کی تلاش ہے جہان یہ سب مصیبتین اور دھوکہ و مکاری نہ ہو شاعر باشعور ہے لیکن حالات ایسے ناسازگار ہین کہ امید کی جھلک کبھی کبھی ضرور دکھائی دیتی ہے اور پھر غائب ہو جاتی ہے -

شہر آشوب "مثنوی" درد و داغ" مین اختر انصاری نے آج کے حالات کی بہترین عکاسی کی ہے -

## " اختتامیہ "

اردو شاعری مین صنف شہر آشوب کے اس طویل جائزہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شہر آشوب کی صنف اپنی جگہ ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے اور یہ دوسرے اصناف سخن سے بالکل مختلف ہے ۔

شہر آشوب کا دائرہ ڈھائی سو سال تک پھیلا ہوا ہے اور ہر دور مین ہمین اس کے بہترین نمونے مل جاتے ہین ۔

اردو شاعری پر عام طور سے یہ تنقید کی جاتی رہی ہے کہ یہ زندگی کی بصیرت سے محروم ہے اور اس کا سرمایہ سخن صرف حسن وعشق ہے یہ بات ایک حد تک درست ہے لیکن مکمل طور سے صحیح نہین اگرچہ غزل جیسی داخلی صنف ہی صدیون تک ہمارے دلون دماغ پر چھائی رہی پھر بھی قصیدہ مرثیہ اور مثنوی جیسی خارجی اصناف سخن کا سرمایہ بھی کچھ کم قابل اعتنا نہین ہے ۔

شہر آشوب کے مطالعہ سے اردو شاعری پر لگایا ہوا یہ الزام غلط ثابت ہوجاتا ہے کہ اردو شاعری مین شعور اور بصیرت کی کمی ہے ۔

ہر زمانے کے بڑے شعراء نے اپنے دور کی نمائندگی اس صنف کے ذریعہ سے کی ہے شہر آشوب ایک ایسی صنف ہے جس مین شاعر نے داخلی جذبات کے ساتھ ساتھ اپنے دور کی اقتصادی سماجی سیاسی اور تہذیبی انتشار اور بدحالی کا بیان موثر طریقہ سے کیا ہے اس صنف مین رسمی جذبات و احساسات کا کوئی عمل دخل نہین ہے ۔ مرثیہ بھی ثواب اور عقیدہ کے زور پر لکھے گئے اور اس مین بھی خارجیت اور مجلسی زندگی کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ۔ قصیدے بھی دربار کی بدولت پروان چڑھے اور انعام و اکرام کی لالچ مین ممدوح کی جاہ و بے جاہ مدح سرائی مین اپنے اصلی جذبات و احساسات سے دور ہوگئے ۔ مثنوی کی صنف بھی صرف حسن وعشق کی داستانون تک محدود رہی ۔غزل کو شعراء کا کلام بھی عام طور پر رسمی و روائتی عناصر اور کتابی مضامین و خیالات سے بھرا پڑا ہے اور اس انبار سے

حقیقی اور غیر حقیقی جذبات و مشاهدات کو الگ کرنا خاصا دشوار معلوم هوتا هے ان اصناف سخن مین صرف صنف شہر آشوب لکھنے والے شعراء نے جو کچھ آنکھون سے دیکھا - اور ان کے دل نے جو کچھ محسوس کیا بغیر کسی جھجک اور روک ٹوک کے انھون نے اس کا اظہار کردیا هے یہی وجہ هے کہ هر دور کے شہر آشوبون مین اپنے دور کی تہذیب و معاشرت نظام حکومت امراء کی حالت اور ان کی تباهی عوام کی پریشانی سب کچھ موثر طریقہ پر آگئی هے -

پہلے دور کے شہر آشوبون پر نظر ڈالنے سے یہ اندازہ هوجائیگا کہ غزل کے شاعر نے جب بھی اپنی مخصوص دنیا سے باهر قدم رکھا هے تو خارجی دنیا کے ایک ایک منظر ایک ایک کیفیت کو اپنے تجربے کا جز بنایا هے اور وهی شعراء جو قصیدون مین بادشاہ وقت کی مدح سرائی کرتے تھے اور ان کی تعریفون مین زمین و آسمان کے قلابے ملاتے تھے - جب شہر آشوب لکھنے پر آتے هین تو بڑی جراءت کے ساتھ انھین بادشاهون اور امیرون کو تنز و ملامت کا نشانہ بناتے هین - اس سلسلے مین قائم چاند پوری کا حوالہ دیا جاسکتا هے -

شہر آشوب کی صنف کافی عرصہ تک مقبول نہ هوسکی بلکہ ملک کے مخصوص نشیب و فراز کی گویا منتظر رهی کیونکہ اس وقت شہر آشوب کی تعریف یہی تھی پہلے دور کے شہر آشوب واقعی پر آشوب دور مین لکھے گئے هین اور اس عہد کے تمام بڑے شاعرون نے اپنے نقطہ نظر کو بہت عمدگی سے پیش کردیا هے - اور اسباب و علل معلوم کئے بغیر تباهی اور بربادی اور مفلوک الحالی و پریشانی کو بلائے آسمانی سمجھ کر اور اپنے اعمال کا نتیجہ قرار دے کر چپ سادلی هے -

دوسرے دور کے شہر آشوب دهلی سے متعلق هے - ۱۸۵۷ء کے تباهی و بربادی پر لکھے گئے هین ان کا دائرہ بہت محفوظ هے - قائم میر سودا حاتم نظیر کی طرح ان مین جراءت گفتار نہین هے بلکہ انھین صرف دهلی سے عشق هے اور دوستون کی موت کا غم هے - عمارتون کے مٹ جانے کا احساس هے اور سب سے بڑی بات یہ هے کہ عیش و نشاط کی محفلون کے درهم برهم هوجانے کا انھین شدید احساس هے اور اسی احساس کو انھون نے اپنے شہرآشوبون کا موضوع

بنایا - دوسرے دور کے شہر آشوب لکھنے والے شعراء مین داغ دہلوی کو چھوڑ کر بقیہ سب دوسرے تیسرے درجے کے شعراء ہین - یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ غالب مومن ذوق جنھون نے اپنے عہد کے مزاج شاعری پر اثر انداز ہوئے وہ بالکل خاموش ہین - البتہ غالب نے شہر آشوبی کیفیت کا اثر اپنے خطوط مین نمایان کردیا ہے اور یہ ایک طرح سے نثر مین شہر آشوب ہین -

اس دور مین بھی شاعر کا نقطہ نظر واضح نہین ہے - اس مین سیاسی اور سماجی سمجھ بوجھ کا فقدان ہے انھین اس کا بھی پتہ نہین کہ آخر میرٹھ سے فوج کیون آئی - اور کیون انھون نے مرزا فخرو ولیعہد کو فوجون کا کمانڈر مقرر کردیا - اگر واقعی میرٹھی افواج غنڈون اور بدمعاشون کی تھی جو ایک بلا کی طرح نازل ہوئی تھی تو وہ باغی فوج بڑی آسانی سے قلعہ معلی کو لوٹ کر اپنے گھرون کو بھر سکتی تھی - لیکن انھون نے انگریز سامراج کا صفایہ شروع کردیا - اور مغل بادشاہ و شہزادے سے اپنی وفاداری کا اعلان بھی کردیا لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ ہمارے عیش پسند شعراء کی محفلین درہم برہم ہوگئین تھی اسلئے وہ برہم زیادہ نظر آتے ہین اور انھین عوام کی تباہی سے زیادہ اپنے دوستونکی موت کا غم ہے -

دوسرے دورکے شہرآشوبون مین بھی ۱۸۵۷ء کی تباہی اور انگریزون کے اقتدار حاصل کرنے کے اسباب و وجوہات پر کسی نے بھی نظر نہین ڈالی بلکہ اس عظیم تبدیلی کو جو تاریخی سیاسی اور معاشی بنیادون پر عمل مین آرہی تھی اسکو بھی پہلے دور کی شعراء کی طرح بلائے ناگہانی کہہ کر شہرآشوبون کا خاتمہ کیا گیا ہے اور خاتمے سے پہلے تقریباً ہر شہر آشوب مین بڑی حسرت و یاس سے یہ دعا مانگی گئی ہے کہ خدا دہلی کی عظمت رفتہ کو لوٹا دے اور اسکی خزان کو بہار مین تبدیل کردے - اسطرح سے ہم اس دور مین بھی شہرآشوب نے اپنی صنفی حیثیت کو برقرار رکھا اور اس مین موضوع کے لحاظ سے کچھ اضافے بھی کئے لیکن چونکہ ان کا دائرہ گھوم پھر کر آہ دہلی وائے دہلی تک محدود ہے اسلئے ان مین یکسانیت محسوس ہوتی ہے -

تیسرے دور کے شہر آشوب البتہ دوسرے دور سے کچھ مختلف ہین ان مین موضوع اور کیفیت کے لحاظ سے کافی تنوع ہے بعض ایسی نظمین جو باقاعدہ شہر آشوب نہین ہین جیسے حالی کی "تذکرہ دہلی مرحوم" یا حکیم محمود خان دہوی کا مرثیہ یہ دونون بھی اپنی جگہ پر شہرآشوب ہین -

انیسوین صدی سے شہرآشوب کے موضوع مین بہت بڑی تبدیلی شروع ہوجاتی ہے اور ہیئت مین واضح فرق معلوم ہوتا ہے کیونکہ اب شعراء مسدس کے علاوہ دوسری ہیئتون مین بھی شہرآشوب لکھنے لگے ان کا تاریخی سیاسی اور سماجی شعور سارے مسائل کا احاطہ کرنے لگا اور انگریز سامراج کے خلاف آزادی کی لڑائی بھی شروع ہوگئی تھی اور مغرب کے اثر سے جدید نظم گوئی کا آغاز بھی ہوگیا تھا اور شاعر ہر واقع اور حادثے کا اسباب و علل بھی جانتا تھا اور اس پر اس کی نگاہ بھی تھی - وہ اس کا حل بھی جانتا ہے -

چوتھے دور پر نظر ڈالی جائے تو ہمین معلوم ہوگا کہ یہان شہرآشوب کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا ہے کیونکہ ۱۹۳۶ء اور اسکے پہلے سے ہی شاعری کی دنیا مین ایک عجیب انقلاب رونما ہوچکا تھا اور اب شاعری ذاتی غم کا اظہار نہین بلکہ قومون کی تاریخ بدلنے والا ہتھیار بن چکی تھی - ایکطرف تو ہمارے لیڈر لوگون کو بیدار کررہے تھے اور شعراء پر جہان مرثیہ کی خطابت اور اثر کرنے والی کیفیت طاری تھی تو دوسری طرف شہر آشوب کی تمام کیفیت انیسوین صدی سے شاعری مین داخل ہوگئی تھی اس حیثیت سے حالی شبلی ظفرعلی خان مولانا محمد علی وغیرہ اور ان کے بعد اقبال اکبر الہ آبادی وغیرہ اور پھر ۱۹۳۶ء کے بعد سے اردو شاعری ساری کی ساری شہر آشوبی بن گئی -

آزادی سے پہلے اور بعد کی نظمون کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ کوئی بھی حساس شاعر اپنے زمانے کے حالات اور واقعات سے غافل نہین رہا اس نے اپنے دور کی بہترین نمائندگی کیا غزل اورکیا نظم دونون صنف مین کردی اور شاعری کو زندگی سے ہم آہنگ کردیا -

آزادی کے پہلے کے حالات و واقعات اور آزادی کے بعد ملک کی سیاسی سماجی اقتصادی تعلیمی اور مجلسی زوال کا بہترین نقشہ پیش کردیا ہے - اسکی بہترین مثالین جوش منیب الرحمن اختر انصاری خلیل الرحمن اعظمی کے شہر آشوب ہین -

اس ڈھائی سو سالہ شہر آشوب کے مطالعے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہین کہ صرف شہر آشوب ہر دور مین اردو شاعری کی سب سے اہم اور جاندار صنف رہی ہے اس نے اردو شاعری پر اور خصوصاً انیسوین صدی کے بعد کی شاعری پر بہت اچھا اثر ڈالا اس کو گھٹن اور محدود دائرے سے نکال کر ایک وسیع اور عریض دنیا مین لا کھڑا کیا اور شاعری کو نئی زندگی عطا کی اور نئے امکانات - نئے موضوعات سے روشناس کرایا -

اس مقالے کی تیاری میں ان کتابوں اور مضامین سے مدد لی گئی ہے ۔


۱ بحث و نظر مقالہ شہر آشوب کی تاریخ ۔ از ڈاکٹر سید عبد اللّٰہ

۲ شہر آشوب ۔ از مولوی مسعود حسین رضوی ادیب ۔ نقوش شمارہ نمبر ۱۰۲

۳ آب حیات ۔ از مولانا محمد حسین آزاد ۔ ایڈیشن

۴

۵

۶ ہسٹری آف اورنگ زیب ۔ جادوناتھ سرکار

۷ تذکرہ شاکر خان

۸ تاریخ نادری

۹ مقالہ ۔ اٹھارویں صدی کا تاریخی تہذیبی پس منظر ۔ از ڈاکٹر عرفان حبیب (غیر مطبوعہ)

۱۰ ذکر میر ۔ فارسی ۔ اور ترجمہ نثار احمد فاروقی

۱۱ سکھوں کی تاریخ ۔ از گنگھم

۱۲ مرقع دہلی ۔ از نواب درگاہ قلی خان

۱۳ تذکرہ شاہ کمال ۔ از

۱۴ سودا ۔ از شیخ چاند

۱۵ جیمز فریزر

۱۶ تاریخ ادب اردو ۔ رام بابو سکسینہ

۱۷ خزانہ عامرہ ۔ آزاد بلگرامی

۱۸ از پیلسارٹ

۱۹ فغان دہلی ( مجموعۂ شہر آشوب ) ۔ از تفضل حسین کولب دہلوی

۲۰ داستان غدر ۔ از ظہیر الدین ظہیر دہلوی

۲۱ نیا عہد نامہ ۔ (مجموعہ کلام) ۔ از ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی